ماہنامہ

کتاب نما

JUNE 1992

طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح متوجہ ہوں

آپ کو پہلے ہی یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ انجمن طلبہ قدیم کا پانچواں اجلاس عام ۲۸ تا ۳۰، اکتوبر ۱۹۹۲ء کو مادر علمی میں ہونے جا رہا ہے۔ اسی سلسلے میں درج ذیل امور کی طرف فوراً توجہ کریں۔

۱۔ اپنے پتے سے دفتر انجمن طلبہ قدیم کو فوراً مطلع کریں۔

۲۔ ایک فارم معلومات طبع کرایا گیا ہے مقامی یونٹوں کو روانہ کر دیا گیا ہے۔ وہاں سے حاصل کر کے یا براہ راست دفتر انجمن سے حاصل کر کے خانہ پری مکمل کرنے کے بعد جلد از جلد دفتر انجمن کو روانہ کریں۔

۳۔ اجلاس کے اندر ایک مقالہ بعنوان "فارغین جامعہ ایک نظر میں" پیش کیا جائے گا۔ اس کی تیاری کے سلسلے میں آپ تمام کا بھرپور تعاون درکار ہے۔ لہٰذا آپ اپنے سلسلے میں پوری تفصیلات خصوصاً ہر طرح کی خدمات کی تفصیلات سے جلد اور ضرور دفتر انجمن کو باخبر کریں خواہ وہ خدمات علمی ہوں، تدریسی ہوں، تحریکی ہوں، رفاہی ہوں وغیرہ

۴۔ اجلاس کے سلسلے میں اپنے مشوروں سے آگاہ کریں۔

(سکریٹری انجمن)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریا گنج

جلد: ۷ — ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ — جون ۱۹۹۲ء — شمارہ: ۶

بدل اشتراک

سالانہ زر تعاون:	۵۰ روپے
طلبہ کیلئے:	۴۰ روپے
خصوصی زر تعاون:	۱۰۰ روپے
اعزازی زر تعاون:	۱۰۰۰ روپے
غیر ممالک سے زر تعاون:	۲۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ:	۵ روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔ لہٰذا چندہ جلد روانہ فرمائیں۔

مدیر مسئول

نور محمد فلاحی

مدیر

محمد اسمٰعیل فلاحی

معاون مدیر

عبد الرازق فلاحی

سرکولیشن منیجر

محمد اشفاق عالم فلاحی

آفتاب رحمانی فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ترسیل زر کا پتہ:

دفتر ماہنامہ مجلہ "حیات نو" جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڈھ، یوپی

شاداب آفسیٹ پریس ٹانڈہ ضلع فیض آباد

نقوش حیاتِ نو

اداریہ
زکوٰۃ کا اجتماعی نظم بے شمار مسائل کا حل ــــ محمد اسمٰعیل فلاحی ــــ ۳

بحث و نظر
خلافت اسلامیہ کا زوال اور عالم اسلام کی زبوں حالی ــــ فیصل علی مسلم ــــ ۷
ایک اسلامی یونیورسٹی کا نقشہ ــــ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ــــ ۲۵

گوشۂ ادب
رولیٹ ــــ منور بن محبوب ــــ ۳۳

عظمت کے مینار
لیوپولڈ سے محمد اسد تک ــــ ملک وسیم احمد فلاحی ــــ ۱۷

تعلیم و تعلّم
توجہ مطلوب ہے ــــ عبدالبر اثری فلاحی ــــ ۲۳

شعر و نغمہ
نعت ــــ محمد فرحت حسین خوشدل ــــ طالب علم عربی کا اعدادی
غزل ــــ نسیم القادری سیوہاروی ــــ 〃

تعارف و تبصرہ
دین اور دعوت ــــ عبدالبر اثری فلاحی ــــ ۳۸

اخبار علمیہ
انجیل کا پہلا مطبوعہ نسخہ، عظیم انگریزی اردو لغت ــــ ابن اعظم فلاحی ــــ ۴۳

جامعہ کے شب و روز
نائب امیر جماعت اسلامی ہند مولانا عبدالعزیز صاحب جامعہ میں ــــ نور محمد فلاحی ــــ ۴۶
کلیۃ البنات کی نئی عمارت کا افتتاح ــــ

روداد انجمن
طلبہ قدیم متوجہ ہوں ــــ سکریٹری انجمن ــــ طالب علم عربی کا ثانوی حصہ

ادا ریہ

محمد اسمٰعیل فلاحی

زکوٰۃ کا اجتماعی نظم بے شمار مسائل کا حل

زکوٰۃ اسلام کا دوسرا رکن ہے۔ نماز سے بندہ کا تعلق اللہ سے جڑتا ہے اور زکوٰۃ سے بندوں سے استوار ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کا منکر دائرۂ اسلام میں جگہ نہیں پا سکتا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔

وَاللّٰہِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ۔ — بخدا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کرے گا میں اس سے ضرور قتال کروں گا۔

مانعینِ زکوٰۃ کے سلسلے میں غیرت و حمیت میں ڈوبا وہ تاریخی جملہ آپؓ کی زبان سے نکلا۔

أَیَنْقُصُ الدِّیْنُ وَأَنَا حَیٌّ۔ — کیا میرے جیتے جی (زکوٰۃ روک کر) دین میں کمی کر دی جائے گی؟؟!!

اسلام نے ایسی پالیسی اختیار کی ہے کہ وسائل معاش معاشرے کے ہر فرد کو میسر آ سکیں اور دولت کا بہاؤ غریبوں کی طرف ہو سکے، وراثت کی تقسیم کا معاملہ ہو، زکوٰۃ مستحقین تک پہنچانے کی بات ہو، مختلف گناہوں کے کفارہ کا سوال ہو، ہر جگہ ہمیں یہ اصول نظر آتا ہے۔

کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْأَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ (الحشر) — (اس مال میں یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حق اس لئے رکھا) تاکہ یہ تم میں سے مالداروں کے درمیان ہی گردش کرتا نہ رہے۔

فرض نمازوں کے لئے اسلام نے جس طرح جماعت فرض قرار دی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ لوگ الگ الگ نکال کر تقسیم کرنے کے بجائے اجتماعی طور پر بیت المال میں اکٹھا کریں اور مسلمانوں کا نظام اجتماعی اس کی عادلانہ

تقسیم کا اہتمام کرے۔ فرض نماز بلا جماعت ادا کرنے سے نماز کے بہت سارے ثمرات سے نماز پڑھنے والا محروم رہ جاتا ہے اسی طرح اپنی اپنی صوابدید پر الگ الگ زکوٰۃ کی تقسیم سے زکوٰۃ ان بے شمار فوائد و برکات سے خالی ہو جاتی ہے جو زکوٰۃ سے حاصل ہونے چاہئیں۔ حضورؐ نے اس کا ایک اجتماعی نظام قائم کیا، صحابہ کرامؓ، تابعین و تبع تابعین نے اسے برقرار رکھا، بعد کے ادوار میں یہ نظام چلتا رہا اور اپنے فوائد دکھاتا رہا۔

زکوٰۃ کے مصارف بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (التوبہ ۶۰)

صدقات تو صرف غریبوں، محتاجوں، ان صدقات پر متعین کارکنوں اور جن کی تالیف منظور ہے ان کے لئے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرنے اور قرضداروں کا قرض ادا کرنے اور راہ خدا میں اور مسافروں کے معاملہ میں خرچ کرنے کیلئے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

ان مصارف میں تیسرے نمبر پر وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا ہے۔ یعنی زکوٰۃ کی رقم ان لوگوں پر بھی خرچ ہوگی جو زکوٰۃ کی وصولی پر مامور ہیں۔ معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا ایک اجتماعی نظم ہوگا۔ مسلمانوں کے بیت المال میں اکٹھا کی جائے گی۔ اکٹھا کرنے والے متعین افراد ہوں گے اور وہ نظام اجتماعی اس کی تقسیم کا انتظام کرے گا۔ فرض نماز کے لئے مسلمانوں نے جماعت کے سبق کو تو یاد رکھا لیکن تعجب ہے کہ وہ زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کیلئے اجتماعیت کی اہمیت کیسے بھلا بیٹھے حالانکہ حضورؐ کے وقت سے لیکر خلافت عباسیہ کے آخر تک اس حکم خداوندی پر عمل ہوتا رہا ہے۔

اگر اجتماعی طور پر ایک نظم کے تحت وصولی اور تقسیم ضروری نہ ہوتی تو زکوٰۃ کی مدوں میں ایک مستقل مد وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا کا اضافہ نہ کیا جاتا۔ آج مسلمان انفرادی طور پر زکوٰۃ نکالتے اور تقسیم کرتے ہیں جس کی وجہ سے اس کے ثمرات ظاہر نہیں ہوتے جو

ہونے چاہئیں۔ انفرادی طور پر تقسیم کرنے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ تو دس جگہ سے جا کر وصول لیتے ہیں اور کتنے مستحقین ایسے ہوتے ہیں جن تک نگاہیں نہیں پہنچ پاتیں۔ اجتماعی ادارہ اگر ہو تو جز رسی سے جائزہ لے کر مستحقین تک پہنچے گا۔ مستحقین کو افراد کا احسان مند نہیں ہونا پڑے گا اور ان کی خودی مجروح ہونے سے بچ جائے گی۔ پھر ملت دریوزہ گری کے روگ سے بھی محفوظ ہو سکے گی۔ وہ اجتماعی ادارہ ایسے رفاہی پروگرام چلا سکتا ہے جس سے معاش کا مسئلہ حل ہو، لوگوں کو روزگار ملے۔ اس طرح کتنے معذور اور بے سہارا لوگ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا ادارہ ہوگا تو جہاں مریضوں کے علاج اور نئی نسل کی تعلیم و تربیت پر توجہ مبذول کرے گا وہیں دفاع و اقدام کے بہت سے ملی مسائل کے حل کی راہ بھی آسان ہوگی۔

آج سیکڑوں سفراء رمضان کے موقع پر چندہ کی وصولی کیلئے ادھر اُدھر رواں دواں رہتے ہیں۔ چندہ دینے والا فیصلہ نہیں کر پاتا کسے دے، کسے نہ دے اور کسے کتنا دے۔ کہا جاتا ہے بہت سے فرضی مدارس ہوتے ہیں اور یہ بھی سننے میں آتا ہے کہ سفیروں کے تعین میں زیادہ سے زیادہ کمیشن کی نامناسب صورتحال بھی پیدا ہوتی رہتی ہے، افراد کے لئے اداروں کی تحقیق مشکل کام ہوتا ہے۔ اگر اجتماعی نظم ہو جو ضرورتمندوں کا پتہ لگا کر ان کی حیثیت کے مطابق زکوٰۃ کی رقم ان تک خود پہنچا دے تو نہ صرف ان ساری قباحتوں سے نجات مل سکتی ہے بلکہ ان سفراء کے کھانے پینے، رہنے سہنے اور کرائے پر صرف ہونے والی لاکھوں روپے کی خطیر رقم بچ کر تعمیری کاموں میں لگ سکتی ہے۔

مولانا آزاد مرحوم زکوٰۃ کے اجتماعی نظم وغیرہ پر گفتگو کرنے کے بعد ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں۔

"اگر مسلمان اور کچھ نہ کریں صرف زکوٰۃ کا معاملہ ہی احکام قرآنی کے مطابق درست کر لیں تو بغیر کسی تامل کے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی تمام اجتماعی مشکلات و مصائب کا حل خود بخود پیدا ہو جائے گا۔"

آگے چل کر مزید وضاحت فرماتے ہیں۔

"اگر کہا جائے کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت موجود نہیں، اس لیے مسلمان مجبور ہو گئے اور انفرادی طور پر خرچ کرنے لگے تو شرعاً وعقلاً یہ عذر مسموع نہیں ہو سکتا۔ اگر اسلامی حکومت کے فقدان سے جمعہ ترک نہیں کر دیا گیا جس کا قیام امام وسلطان کی موجودگی پر موقوف تھا تو زکوٰۃ کا نظام کیوں ترک کر دیا جائے؟ کس نے مسلمانوں کے ہاتھ اس بات سے باندھ دیئے تھے کہ اپنے اسلامی معاملات کے لیے ایک امیر منتخب کر لیں یا ایک مرکزی بیت المال پر متفق ہو جائیں یا اقلاً ویسی ہی انجمنیں بنا لیں جیسی انجمنیں بے شمار غیر ضروری باتوں کے لیے، بلکہ بعض حالتوں میں بدع ومحدثات کے لیے انہوں نے جا بجا بنا لی ہیں۔"

اگر زکوٰۃ کا اجتماعی نظام فریضۂ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے تو اس جانب توجہ کیے بغیر چارہ نہیں۔ ابتدا میں پورے ملک اور پورے صوبے کے پیمانہ پر یہ نظم قائم کرنا دشوار ہے تو ضلع کے پیمانے پر اسے قائم کیا جا سکتا ہے۔ ضلع کے پیمانے پر بھی اگر دشواری ہو تو شہر اور محلے کی سطح پر تو لازماً اسے قائم ہونا ہی چاہیے۔

* * * * * *

بقیہ: تعارف وتبصرہ

۵:۔ کتابت کی غلطیاں مثلاً صفحہ ۹ پر حاشیہ نمبر ۲ میں "الجامع الاحکام القران" لکھا ہوا ہے حالانکہ اسے "الجامع لاحکام القران" ہونا چاہیے۔ اسی طرح اس کا صفحہ نمبر ۴ لکھا گیا ہے حالانکہ صفحہ نمبر ۲ صحیح ہے۔

۷۔ کچھ ترجمے محل نظر ہیں غور فرمائیں کیا ان سے ان کے اصل مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا؟ مثلاً صفحہ ۱۳۶ پر "الذین جاھدوا منکم" کا ترجمہ "تمہارے مجاھدوں کو" کیا گیا ہے۔ یا صفحہ ۱۳۱ پر "بلی من اوفی بعھدہ واتقی" کا ترجمہ "ہر حال میں حقوق العباد عطا کرنے والے متقی ہیں" کیا گیا ہے۔

خلافت اسلامیہ کا زوال اور عالم اسلام کی زبوں حالی

تحریر: فیصل علی المسلم — ترجمہ: محمد عارف اعظمی عمری

"خلافت اسلامیہ کے موضوع پر ایک عرب اہل قلم کا یہ فاضلانہ مقالہ مجلہ الفرقان، کویت کے عدد ۲۴ بابت اپریل ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا ہے، اسکی اہمیت اس لئے اور بھی زیادہ ہے کہ اسکی روشنی میں اب مملکتوں کے اس خطے میں بھی خلافت اسلامیہ کے زوال کے ماتم کی صدا سنائی دیتی ہے، جہاں آج سے پون صدی قبل خلافت کا لبادہ تار تار کرنے میں وہاں کے باشندوں نے نمایاں حصہ لیا ہے اور مدتوں یہ قوم خلافت کے تصور کو نہایت ناپسندیدگی اور گھناؤنے پن سے دیکھتی رہی۔

عالم اسلام کے موجودہ اذیت ناک حالات کے تناظر میں خلافت اسلامیہ کی ضرورت واہمیت کو نہایت سلیقہ سے اس مقالہ میں بیان کیا گیا ہے، فاضل مقالہ نگار نے انتہائی جرأت وبے باکی سے اصل حقائق کو پیش کر کے عالم اسلام کے موجودہ مصائب کا اصل مداوا خلافت اسلامیہ کے قیام کو بتایا ہے، کاش ملت اسلامیہ اجتماعیت کے اس اصل شیرازہ کو پہچان سکتی، بالخصوص افغانستان کے برادران اسلام جو دوراہے کی منزل پر اس وقت کھڑے ہیں، اگر وہ مغربی طرز پر مبنی جمہوریت یا دیگر کسی نظام حکومت کو اختیار کرنے کے بجائے خلافت اسلامیہ کے احیاء کے لئے کوشاں ہوں تو یہ انکے چودہ سالہ پرعظمت جہاد کی صحیح سمت سفر ہوگی۔" (مترجم)

خلافت اسلامیہ کا سقوط پورے مسلمانان عالم کے لئے ایک حادثہ جانکاہ کی حیثیت رکھتا ہے اس روز سے آج تک عالم اسلام کا کوئی دن پہلے سے بہتر نہیں ہوا حال میں خلیج میں جو واقعات رونما ہوئے اور جسکی بنا پر عالم اسلام ایک عظیم تباہی کا شکار ہوا، اسکی بھی کڑی خلافت اسلامیہ کے زوال سے ملتی ہے اس جنگ میں مسلم ممالک کی غیر معمولی عسکری اور اقتصادی تباہی کے علاوہ اور کوئی نتیجہ انکو حاصل نہیں ہوا، آج بھی

عرب قوم امریکہ کی دست نگر اور اسکی کاسہ لیسی میں مشغول ہے اور اسرائیل ۱۹۴۸ء سے اب تک متواتر اپنی جارحانہ سرگرمیوں میں مصروف ہے، اور عالم اسلام اپنے مسائل حل کرنے کی صلاحیت دن بدن کھوتا جارہا ہے۔ کیونکہ اسلامی ملکوں کے درمیان نفرت وعداوت اور بغض وحسد کی خلیج روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ اسکو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موجودہ اسلامی ممالک کی کیفیت اندلس کے عہد آخر کی چھوٹی چھوٹی برسرپیکار ریاستوں کی سی ہوچکی ہے جو زوال وشکست کے دور میں باہم دست بگریباں تھیں، اور ایک دوسرے پر حملہ کیلئے اپنی فوجی صلاحیت کو طاقتور بنانے کی غرض سے دشمن طاقتوں سے مدد بھی حاصل کرتی تھیں۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس کی تمام ریاستیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر دشمنوں کے قبضہ میں چلی گئیں۔

موجودہ عالم اسلام کے کربناک حالات میں خلافت اسلامیہ کا قیام ناگزیر ہے آج بھی اگر عالم اسلام کے مسلمان اس نظام کے تحت کلمۂ توحید کے پرچم تلے متحد ہوجائیں تو اسلام دشمن طاقتوں کے تمام ناپاک منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔

خلافت کی اہمیت اور ضرورت

خلافت راشدہ کا بابرکت اور زریں عہد ختم ہونے کے بعد خلافت مختلف ادوار سے گذرتی اور اس کا مرکز بھی اسلامی ممالک کے متعدد اہم شہروں میں منتقل ہوتا رہا۔ تاہم تاریخ کے ہر دور میں اس کا وجود باقی رہا کیونکہ خلافت کا قیام دین وامور شرع کے اجراء کے لئے بنیادی حیثیت کا حامل ہے، اسی لئے علماء اہل سنت والجماعت کا یہ متفق فیصلہ ہے کہ اس کا قیام واجب ہے، چنانچہ خلافت راشدہ سے لیکر موجودہ صدی کے آغاز تک خلافت کا تسلسل برقرار رہا، اور اسی سلسلہ کی آخری کڑی سلطنت عثمانیہ تھی۔

سلطنت عثمانیہ

یہ سلطنت اپنی شان وشوکت، اور جاہ وجلال کے اعتبار سے کافی مضبوط اور پائدار تھی۔ اس کے عہد زریں میں فتوحات کا حیرت انگیز سلسلہ قائم ہوا، خاص طور پر یورپ کے ملکوں میں اس سلطنت نے ایسی نمایاں کامیابی حاصل کی جو عہد آخر کی کسی اسلامی سلطنت کو حاصل نہیں ہوئی۔ مگر انیسویں صدی کے اوائل سے آل عثمان کا اقبال

جلال یہ دبدبہ سرد پڑتا گیا اور ان کے دلوں میں دین کی سربلندی کے بجائے دنیا کی ترقی فروغ پانے لگی۔ جسکے نتیجے میں سنت الہی کے بموجب انکی شان وشوکت کمزور ہوتی گئی اور بالآخر انکی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔

ایک تاریخی غلط بیانی کی شہرت

مناسب ہوگا کہ اس موقع پر ایک بھیانک تاریخی غلط بیانی کی تصحیح کردی جائے۔ وہ یہ کہ ہمارے موجودہ تعلیمی نظام میں تاریخی حقیقت کے نام پر یہ بات مشہور کردی گئی ہے کہ سلطنت عثمانیہ کا پورا دور جابرانہ حکمرانی کا دور تھا۔ اور یہ عربوں پر ترکوں کی غاصبانہ فرماں روائی کا عہد سیاہ تھا۔ اس غلط بیانی کو عام کرنے میں جدید مورخین کا بھی دخل ہے، جنھوں نے عرب اور ترکی قومیت کے درمیان مقابلہ کی فضا پیدا کرکے سلطنت عثمانیہ اور خاص طور پر اس سلطنت کے آخری تاجدار سلطان عبدالحمید کی مکمل کردار کشی کی ہے۔ دراصل یہ تصور دشمنان اسلام کا وضع کردہ ہے۔ جس کا ان کے پروردہ دانشوروں نے خوب چرچا کیا ہے اور اس غلط پروپیگنڈہ سے سادہ لوح مسلم معاشرہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل دو باتوں کی وضاحت سے اس بزعم خود غلط تاریخی حقیقت کی قلعی کھل جاتی ہے۔

۱۔ اس میں کوئی شبہ نہیں خلافت اسلامیہ میں بہت سی بے اعتدالیاں پیدا ہوچکی تھیں۔ مگر تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اور بھی دوسری اسلامی سلطنتیں اسی نوعیت کے جرائم کی مرتکب ہوئی ہیں۔ مگر اس کے باوجود تاریخ کے صفحات میں ان کا احترام ومقام بدستور قائم ہے، تو پھر خلافت عثمانیہ کے ساتھ ہی یہ سوتیلا سلوک کیوں روا رکھا جاتا ہے؟

۲۔ خلافت عثمانیہ کے آخری دور کو دو حصوں میں منقسم کرنا چاہئے، یعنی اتحادیوں کے ہاتھوں سلطان عبدالحمید کی معزولی ۱۹۰۹ء تک ایک دور، اور انکے عہد سے لیکر ۱۹۲۴ء تک جس سال خلافت کا وجود مٹا دیا گیا، اسکو خلافت عثمانیہ کا دوسرا دور کہنا چاہئے، اس زمانہ میں یعنی ۱۹۰۹ء تا ۱۹۲۴ء گو خلافت کا نام باقی تھا اور اس اثناء میں کئی ایک خلفاء نامزد کئے گئے مگر انکو کوئی اقتدار حاصل نہ تھا بلکہ عملاً حکومت جمعیۃ اتحاد کے قبضہ میں تھی اور ملکی

عہد کو صحیح معنوں میں ترکی کا عہد ظلمت قرار دیا جانا چاہیے۔ اسی دور میں اتحاد کے علم برداروں نے طرابلس پر اٹلی کے غاصبانہ قبضہ کو تسلیم کیا، اور انھیں کی قیادت میں جنگ عظیم اول میں سلطنت عثمانیہ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا، جسکے نتیجہ میں ارض مقدس تک یہودیوں کے لیے راہ ہموار ہو گئی، اور ملت اسلامیہ گوناگوں مصائب سے دوچار ہوئی، جب کہ اس کے برخلاف سلطان عبدالحمید کے عہد خلافت تک سلطنت عثمانیہ کے سارے علاقے محفوظ رہے، علاوہ ازیں سلطان نے ملی وحدت کے خیال سے جامعہ اسلامیہ کے قیام کا فیصلہ کیا تھا اور انھوں نے یہودیوں کی اس پیشکش کو حقارت سے ٹھکرا دیا تھا کہ فلسطین کا کچھ حصہ گراں قدر قیمت پر انکو دیدیا جائے۔ اسی لئے یہودیوں کی یہ سب سے بڑی خواہش تھی کہ سلطان کو معطون و معزول کر دیا جائے۔ [1]

سلطنت عثمانیہ کے زوال میں یہود و نصاریٰ کا حصہ

سلطنت عثمانیہ کے سقوط کی کہانی بڑی لمبی ہے اور یہ بات بھی بہت حد تک درست ہے کہ اس کا خاتمہ نظام فطرت کے تحت ہوا، اور اس سلطنت کا گلا گھونٹنے میں جو داخلی ملک پیش پیش رہے ہیں، چنانچہ جمعیۃ اتحاد کے کارکنوں نے ۱۹۰۸ء میں استنبول کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور اپریل ۱۹۰۹ء میں سلطان عبد الحمید کو معزول کر کے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی، پھر جنگ عظیم اول میں ترکی کی شکست کے بعد مصطفےٰ کمال پاشا کے ہاتھوں میں اقتدار منتقل ہو گیا، اور اس شخص نے خلیفہ اور صدر مملکت کو جداگانہ حیثیت دیکر آستانہ کو مقر خلافت اور انقرہ کو صدر مملکت کا پایہ تخت بنا دیا اور خلیفہ کو سارے اختیار سے محروم رکھکر صدر ہی مطلق العنان فرمانروا بن گیا۔

[1] اس موضوع پر تفصیلی معلومات کے لیے ملاحظہ فرمائیں، انور الجندی کی کتاب "تصحیح اکبر خطائی تاریخ الاسلام الحدیث، السلطان عبد الحمید والدولۃ العثمانیہ"

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلافت عثمانیہ کا سقوط محض داخلی انتشار کی بناء پر اپنوں ہی کے ہاتھوں ہوا؟ یا اس تحریک میں یہود و نصاریٰ کا بھی عمل دخل ہے؟

دراصل سلطنت عثمانیہ کا زوال اسلام دشمن طاقتوں بالخصوص یہود و نصاریٰ کا دیرینہ خواب تھا وہ مسلمانوں کی ایسی اجتماعیت کو اپنے حق میں سم قاتل سمجھتے تھے جس میں مسلم قوم ایک دین کی پابند ہو کر ایک خلیفہ کے تابع ہو، چنانچہ سلطنت عثمانیہ کے دور ضعف و اختلال ہی سے انھوں نے یہ ریشہ دوانیاں شروع کر دی کہ خلافت عثمانیہ کے بدل کے طور پر کوئی مضبوط اور پائیدار سلطنت مسلمانوں کی قائم نہ ہونے پائے، بلکہ اسکے بجائے مختلف کمزور اور ناتواں سلطنتیں وجود میں آجائیں [1]۔ اور انکی یہ آرزو صلیبی عہد کی جنگوں کے زمانے ہی سے انکے دل میں پل رہی تھی۔ ایک عیسائی مورخ "دیگو فارا" لکھتا ہے

"سلطنت عثمانیہ کے خاتمہ کا منصوبہ ۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء ہی میں صلیبی جنگ کے آخری مرحلہ میں بن چکا تھا"۔ اور اس منصوبہ کے مطابق مسلسل کوشش جاری رہی یہاں تک کہ ۱۹۱۸ء میں یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔

پھر یہ مورخ اس بات کا برملا اظہار بھی کرتا ہے کہ "اہل یورپ کی ترکوں سے سخت دشمنی کی وجہ اسلام اور نصرانیت کے درمیان دیرینہ نفرت و عداوت ہے" [2]

اہل یورپ کی اسلام دشمنی کا اندازہ ۱۹۲۳ء میں لوزان کانفرنس کے موقع پر برطانیہ کے رویہ سے بھی ہوتا ہے جس میں اس نے ترکی سے اپنی فوجیں واپس بلانے کے عوض میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ:

- ترکی میں اسلامی خلافت کا خاتمہ کر کے خلیفہ کو ملک سے دربدر کر دیا جائے اور اسکی املاک ضبط کر لی جائیں۔

[1] رؤیۃ اسلامیۃ فی الصراع العربی الاسرائیلی جلد اول بحث مؤامرات الدول الغربیۃ ص ۱۴۹

از محمد بن عبد الغنی النواوی۔ [2] الغارۃ علی العالم الاسلامی، محب الدین الخطیب

۲۔ ترکی اس بات کا عہد کرے کہ خلافت کی تائید میں کوئی تحریک یہاں اگر قائم ہوئی تو وہ اسکو بزور کچل دے گا۔

۳۔ ترکی اسلام سے اپنا رابطہ منقطع کرے۔

۴۔ اسلامی اصول و مبادی پر مشتمل ضابطہ و قانون کے بجائے اپنا شہری قانون وضع کرے۔ [1]

اہل یورپ کے جدید خطرناک وسائل

درحقیقت یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی انکی فطرت میں داخل ہے، اور اسی طرزِ عمل پر وہ ہمیشہ سے کاربند رہے ہیں اور اس حقیقت کو قرآن مجید نے بہت واضح الفاظ میں بیان کردیا ہے، ارشاد باری ہے۔

- ولن ترضیٰ عنك الیهود ولا النصاریٰ حتیٰ تتبع ملتهم [2] — یہود اور نصاریٰ تم سے ہرگز راضی نہیں ہونگے یہاں تک کہ تم ان کی ملت کی پیروی کرو

اور ارشاد باری ہے۔

- ولا یزالون یقاتلونکم حتیٰ یردوکم عن دینکم ان استطاعوا [3] — یہ لوگ تم سے برابر جنگ کرتے رہینگے یہاں تک کہ تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں اگر انکے بس میں ہو

قرآن مجید کی اس واضح ہدایت کی روشنی میں اسلام کے تئیں یہود و نصاریٰ کے رویہ کا پتہ چلتا ہے اور اس کی تائید میں عہد حاضر کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ گذشتہ صدی میں برطانیہ کے وزیر اعظم گلیڈ اسٹون نے قرآن مجید کا ایک نسخہ اپنے ناپاک ہاتھ میں اٹھا کر وہاں کی پارلیمنٹ میں کہا کہ

"جب تک اہل مصر کے ہاتھوں میں یہ کتاب رہے گی ہم ان پر قابو نہ پا سکیں گے"

---

[1] جلال العالم ص ۵۰ - ۵۱ [2] سورہ بقرہ آیت ۱۲۰ [3] ایضاً آیت ۲۱۷

۲۔ فرانسیسی فوج کا جنرل گورو جب دمشق میں فاتحانہ طور پر داخل ہوا تو سب سے پہلے وہ فاتح ارض مقدس صلاح الدین ایوبی کی قبر پر گیا اور زور سے چلا کر بولا:

"ہم پھر لوٹ آئے اے صلاح الدین"۔

۳۔ ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس پر یہودی جب قابض ہوئے تو وہ دیوار گریہ کے پاس اکٹھے ہوئے اور انھوں نے با آواز بلند یہ اہانت آمیز نعرے لگائے،

"محمد مر گئے، ان کے بعد انکی قوم میں کوئی مرد نہیں، صرف لڑکیاں ہیں، آج محمد کے خاتمہ کا دن ہے۔ آج سے اسلام ختم ہے"

۴۔ ایوجین سٹرق اوسط کے معاملات میں امریکی صدر جانسن کا مشیر تھا، اور اپنے عہدہ پر ۱۹۶۷ء تک برقرار رہا۔ اس نے ایک مرتبہ کہا تھا:

"ہمیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ ہمارے اور عربوں کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ ملکی اور قبائلی نوعیت کے نہیں ہیں بلکہ یہ اختلافات اسلامی تمدن اور مسیحی ثقافت کا اختلاف ہے"، [1]

غرض یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی تاریخ کے ہر دور میں رہی ہے اور انکے باوثوق ذرائع سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ موجودہ عہد میں انھوں نے جنگ و قتال کے ساتھ مکر و فریب دھوکہ دہی اور دغابازی کو بھی اپنی جنگ کا اہم وسیلہ بنا لیا ہے اور انکی یہ ذہنی جنگ نہایت خطرناک ہے جس کے لئے انھوں نے مندرجہ ذیل وسائل اختیار کر رکھے ہیں۔

- ۱۔ سلطنت عثمانیہ کے خلاف صف آرائی کے وقت ہی سے مغربی ممالک نے اسلامی ملکوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ یا ان کی جانب سے مدافعت کے بے طلب اور جبری معاہدے کئے۔ اور یہ سلسلہ اب تک قائم ہے مغرب کے مسلم ملکوں پر ان کی فوج کشی اور خلیج کے مشائخ سے مدافعت کے معاہدے اسکی واضح دلیل ہیں۔

---

[1] جلال العالم حوالہ مذکورہ

۵۔ اسی وقت سے انھوں نے مسلم قوم میں ایسے افراد کی تلاش بھی جاری رکھی جو ذہنی غیرت و حمیت سے عاری، محض مادہ پرست اور انھیں کے افکار و نظریات سے متاثر ہوں، اور اسی پس منظر میں ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا کی اصلاحی تحریک کا بھی جائزہ لیا جانا چاہیے جسکو عالمی سطح پر قائم ماسونیت نے مندرجۂ ذیل الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

"۱۹۱۹ء کا ترکی انقلاب جو برادر عظیم مصطفیٰ کمال پاشا کے ہاتھوں وجود میں آیا۔ اس انقلاب نے امت کو بڑا فائدہ پہونچایا اس نے سلطنت عثمانیہ کو تباہ و برباد کر کے خلافت کا وجود مٹا دیا، شرعی عدالتیں بند کر کے اسلامی نظام سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور وزارت اوقاف پر تالے لگا دئیے .... کیا ماسونیت کے پیش نظر بھی وہ اصلاح نہیں ہے جسکو وہ تمام ترقی پذیر ملکوں میں بروئے کار لانا چاہتی ہے ماضی و حال کا کون ماسونی ہے جو اتاترک کا مثیل بن سکتا ہے" سلہ۔

۶۔ اسی طرح ان کا ایک اہم حربہ اسلامی ممالک میں نسلی اور قومی عصبیت کو فروغ دینا بھی ہے تاکہ مسلمانوں کی ملی وحدت منتشر اور پراگندہ ہو جائے چنانچہ اسلامی ملکوں میں قومیت اور علاقائیت کے نعروں کی گونج انھیں کی پیدا کی ہوئی ہے۔

اسلام دشمن طاقتوں کو خوف کیوں؟

اسلام دشمن طاقتوں کو مذہب اسلام کے جن عناصر سے خدشہ لاحق ہے اور اس کے ساتھ جن وجوہات کی بنا پر انکو عالم اسلام پر غلبہ و استیلاء کی ہوس ہے اس کا مختصر تجزیہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ مسلم قوم کے اتحاد کا خوف، مشرق و مغرب کے تمام غیر مسلم اہل سیاست اور دانشوروں کی نظر میں انکے حق میں سب سے بڑا خطرہ مسلم قوم کا ملی اتحاد ہے اس کے تصور سے ہی انکی آنکھوں کی نیند حرام ہو جاتی ہے کیونکہ مسلمان اس وقت دنیا میں ایک ارب کی تعداد میں موجود ہیں اور انکی اکثریت ان خطوں میں آباد ہے جو ارض کے ربع مسکون پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ قدرت نے انکے ممالک کو بیش بہا خزانوں سے معمور کیا ہے اس بنا پر اسلام

سلہ [illegible]

دشمن طاقتوں کو خوب ہی طرح یہ اندازہ ہے کہ اگر تمام اسلامی ممالک ایک دین حنیف کی اتباع و پیروی کے مقصد سے اللہ کے مخلص بندوں کی قیادت میں متحد ہو گئے تو اسکے مکر و فریب پر مبنی ناجائز غلبہ و تسلط کا پورا قلعہ تہس نہس ہو کر رہ جائیگا۔

۲۔ اسلامی خلافت کے قیام کا خوف، یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اسلامی خلافت کا قیام جملہ مسلمانان عالم کی شان و شوکت اور رعب و دبدبہ کا اعلیٰ ترین مظہر ہے، اور اس کا احساس یہود و نصاریٰ کو بھی ہمیشہ سے رہا ہے۔ اور وہ اس کے قیام کو اپنے باطل مذہب و افکار کے فروغ میں حائل عظیم رکاوٹ سمجھتے ہیں، چنانچہ سلطنت عثمانیہ کا شیرازہ جب منتشر ہو گیا تو اس وقت کے برطانیہ کے وزیر خارجہ نے پر اطمینان لہجہ میں کہا تھا کہ،

"ہم نے ترکی کا ایسا خاتمہ کر دیا ہے کہ اب وہ کبھی خود اعتمادی کے ساتھ اٹھ کھڑا نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ ہم نے اسکی دو معنوی توتوں کو کچل دیا ہے ایک اسلام دوسرے خلافت۔" سلہ

اسی طرح گارڈنر نے بھی کہا تھا کہ،

صلیبی جنگوں کا مقصد صرف ارض مقدس کی آزادی ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے اسلام کو تباہ و برباد کرنا مقصود ہے سلہ

در اصل مسلم دشمن عناصر کو بخوبی یہ اندازہ ہے کہ مذہب اسلام کی وحدت و بقا کے قیام میں دوسرے تمام باطل افکار و نظریات کے مغلوب ہو جانے کا سامان موجود ہے، فرانس کے سابق وزیر خارجہ ہانوتو نے یہ اعتراف کیا ہے کہ سطح زمین پر کوئی مقام ایسا نہیں ہے جہاں اسلام کی شمع روشن نہ ہو یہی وہ تنہا مذہب ہے جس کو بے اختیار لوگ محبت سے اپناتے ہیں اور اس باب میں کوئی دوسرا مذہب اسکا ہمسر نہیں ہے سلہ

سلہ العالم الاسلامی والمکائد الدولیۃ از صبحی ... ، جلال العالم ، سلہ ایضاً ، سلہ ایضاً

موجودہ دور میں افریقہ کے حالات بھی اس حقیقت کے شاہد ہیں جہاں عیسائی مبلغین کو مذہب اسلام کے فروغ و انتشار سے چڑ سی لاحق ہے اسی بناء پر ہمیشہ انکی یہ کوشش جاری رہتی ہے کہ مسلمانوں کو ملکی حد بندیوں میں جکڑ کر ان کے درمیان متنازعہ امور پیدا کر کے انکو الجھائے رکھا جائے۔ علاوہ ازیں انکو دین سے دور اور بیزار رکھ کر انکو دنیا پرستی اور لذت کوشی کا دلدادہ بنا دیا جائے۔ تاکہ اسلامی وحدت و اجتماعیت کا تصور بھی انکے دل و دماغ میں داخل نہ ہونے پائے۔

۳۔ مسلم ممالک کے قدرتی ذخائر پر قبضہ و تسلط کی آرزو

مغرب اور غیر مسلم طاقتیں جہاں عالم اسلام سے مذہبی بغض و عناد کا جذبہ اپنے اندر رکھتی ہیں وہیں عالم اسلام کے قدرتی ذخائر پر قبضہ و تسلط کی بھی انکی آرزو ہے اور یک گونہ وہ اپنی اس خواہش میں کامیاب بھی ہو چکے ہیں۔ انکے اس جذبہ کا اظہار ایک خلیجی ملک میں متعین امریکہ کے ایک سابق سفیر کے مندرجہ ذیل بیان سے بخوبی ہوتا ہے کہ

ہم یہاں اس لئے آئے ہیں تاکہ (نعوذ باللہ) خدا کی اس غلط تقسیم کو مٹا دیں جسکی وجہ سے خلیج عرب کو تو دولت و ثروت سے مالا مال کیا گیا ہے حالانکہ ترقی یافتہ جہاں کہیں اور ہے [1]

غرض قرآن مجید کی واضح ہدایت اور مندرجہ بالا شواہد کی روشنی میں یہ حقیقت واضح طور پر منکشف ہو جاتی ہے کہ اسلام دشمن طاقتوں کی مذہب اسلام سے نفرت و عداوت دائمی ہے جسکا خاتمہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ مسلم قوم اپنے دین و مذہب سے منحرف ہو کر انکی اتباع و پیروی کرے وظاہر

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

[1] سفر الحوالی، رسالة الى هيئة كبار العلماء في المملكة العربية السعودية ص

لیوپولڈ سے محمد اسد تک

مولانا رحیم احمد فلاحی

"میں اپنی جگہ پر سوچنے لگا کہ آخر ہمارے مغربی دوست یہ کیوں فرض کر لیتے ہیں کہ اسلامی قدریں مغربی قدروں کے مقابلے میں کمتر درجہ رکھتی ہیں۔ کیا ان میں سے کسی نے کبھی روح اسلام سے براہ راست آشنا ہونے کی زحمت بھی اٹھائی، یا انھوں نے اسلام کے بارہ میں اپنی رائیں محض ان فرسودہ نظریوں اور مسخ شدہ تصورات پر قائم کی ہیں جو اگلی نسلوں سے توارثاً ان کو ملتے رہے ہیں؟"

افسوس کہ ان الفاظ کا مصنف اب اس دنیا میں نہیں رہا یعنی علامہ محمد اسد اب مرحوم ہو گئے۔ ان کا انتقال فروری ۱۹۹۲ء میں اسپین میں ہوا۔

علامہ محمد اسد ایک نومسلم تھے ان کا پیدائشی نام لیوپولڈ وائس (Leopold Weiss) تھا۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں ایک یہودی نژاد جرمن گھرانے میں پیدا ہوئے بچپن کا ابتدائی زمانہ پولینڈ کے شہر (Lwow) میں گذرا جو اس وقت آسٹریا کے قبضہ میں تھا۔ ابھی تیرہ سال کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ عبرانی آسانی پڑھنے لگے بلکہ بڑی روانی کے ساتھ بولنے بھی لگے۔ اس کے علاوہ آرامی زبان سے بھی تھوڑی بہت واقفیت حاصل کر لی۔ سنہ ۱۹۱۴ء کے اواخر میں جب کہ جنگ عظیم اول چھڑ چکی تھی اور اس وقت انکی عمر چودہ سال کی تھی انھوں نے مدرسہ سے راہ فرار اختیار کر لی اور اپنا نام بدل کر آسٹریا کی فوج میں بھرتی ہو گئے بھرتی کیلئے اٹھارہ سال کی عمر لازمی تھی لیکن قد سے وہ اٹھارہ ہی سال کے معلوم ہوتے تھے تاہم اس وقت ان کو والد صاحب کی وجہ سے لوٹ آنا پڑا۔ البتہ چار سال کے بعد دوبارہ باقاعدہ طور سے آسٹرین فوج میں شامل ہو گئے۔ یہ جنگ عظیم جب ختم ہوئی تو اس کے بعد تقریباً دو سال تک وہ ویانا یونیورسٹی میں فلسفہ اور آرٹ کی تعلیم حاصل کرتے رہے لیکن جنگ کے خاتمے کے بعد جو مختلف مفاسد پیدا ہو گئے تھے اور خاص طور سے بے راہ روی جو نوجوان

لڑکوں اور لڑکیوں کے اندر جو روش پائی گئی تھی اس کی وجہ سے وہ اکثر بے چین رہنے لگے یہاں تک کہ یونیورسٹی کے اندر تعلیم جاری رکھنا ان کے لئے مشکل ہو گیا اور بالآخر اسے خیرباد کہہ دیا پھر تقریباً ایک سال تک مختلف جگہوں کی خاک چھانتے کے بعد ۱۹۲۲ء میں وہ ایک یورپ ایجنسی (UNITED TELEGRAAPH NEWSAGENCY) سے وابستہ ہو گئے۔

۱۹۲۲ء میں محمد اسد کے ماموں نے ان کو مشرق وسطیٰ کے سفر کے لئے دعوت دی جو بیت المقدس کے قدیم شہر میں رہتے تھے چنانچہ انھوں نے اس سفر کا حتمی ارادہ کر لیا لیکن اس وقت ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ان کا یہ سفر فی الواقع اسلام کی طرف ہے اور ان کی زندگی کو پلٹنے والا ہے۔

اس سفر کے دوران کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے علامہ اسد مرحوم لکھتے ہیں ٹرین کسی ایک چھوٹے اسٹیشنوں پر رکی تمام پلیٹ فارم پر مٹی اور لکڑی کے ڈھیر کی طرح ہوتے ہیں سانولی صورت والے لڑکے اور بچے جن کے جسم پر پھٹے ہوئے کپڑے تھے ادھر ادھر گھوم رہے تھے اور مسافروں کے ہاتھ انجیر، ابلے ہوئے انڈے اور روٹی فروخت کر رہے تھے۔ وہ بدو جو میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا اٹھا اور اپنا رومال کھولا پھر کھڑکی کھولی اس کا رنگ سانولا تھا ان عقابی چہروں میں سے ایک چہرہ جو اعلیٰ عزم اور قوت ارادی کے ساتھ ہمیشہ آگے کی طرف دیکھتے ہیں اس نے ایک روٹی خریدی اور واپس ہونے لگا، جب وہ بیٹھنے جا رہا تھا اس وقت اس کی نظر مجھ پر پڑی، کچھ کہے بغیر اس نے اس روٹی کے دو ٹکڑے کئے ایک مجھے دینے لگا جب اس نے میرا تردد اور تعجب دیکھا تو مسکرایا، اس کی مسکراہٹ بھی اس کے چہرے پر اسی طرح موزوں تھی جس طرح عزم اور قوت ارادی بھی
اس نے ایک لفظ کہا جو اس وقت تو میں نہیں سمجھ سکا لیکن اب سمجھتا ہوں۔
تفضّل، نوش فرمائیے، میں نے وہ ٹکڑا لے لیا اور سر کے اشارے سے

اس کا شکریہ ادا کیا، ایک مسافر نے جو ترکی ٹوپی کے علاوہ باقی تمام یورپی لباس میں تھا اور کوئی متوسط درجے کا تاجر معلوم ہو رہا تھا سارا منظر بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہنے لگا۔

یہ کہتے ہیں کہ آپ بھی مسافر ہیں اور میں بھی مسافر ہوں اور ہم دونوں کا راستہ ایک ہے (روڈ ٹو مکہ۔ ترجمہ۔ محمد الحسنی طوفان سے ساحل تک ص)

اس کے بعد اس واقعہ پر اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"اب جب میں اس واقعہ پر غور کرتا ہوں تو مجھے خیال آتا ہے کہ عربی اخلاق سے میری وابستگی اور محبت کی بنیاد اسی سے پڑی تھی، اس بدو کے رویہ میں جس نے اجنبیت کی تمام دیواروں کے باوجود اپنے رفیق سفر کا ساتھ دیتے ہوئے اپنی آدھی روٹی اس کو دے دی، انسانیت کی ایک ایسی تصویر اور جھلک تھی جو ہر تصنع اور تکلف سے پاک تھی۔"

اپنے قیام کے دوران وہ اپنے ماموں کے گھر سے قریب کچھ عربوں کو دیکھتے تھے جو ایک امام کے پیچھے انتہائی نظم وضبط کے ساتھ پانچ وقت کی نماز ادا کرتے تھے۔ دیکھ کر ان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ یہ لوگ زبان کے ساتھ ساتھ جسم کے دیگر اعضاء وجوارح کو بھی کیوں حرکت میں لاتے ہیں بالآخر امام سے دریافت کیا تو ان کا جواب ملا کہ پھر آپ ہی بتائیے اور کس طرح ہم خدا کی عبادت کریں؟ کیا اس نے جسم اور روح کو ایک ساتھ نہیں پیدا کیا، اگر یہ بات ہے تو کیا یہ ضروری نہ ہوگا کہ آدمی جس طرح اپنی روح کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اسی طرح اپنے جسم کے ساتھ بھی پڑھے۔" پھر امام صاحب نے ان کو تفصیل سے نماز کی حکمت اور جماعت کی مصلحت وغیرہ بتائی اور علامہ اسد کے اپنے الفاظ میں اسی گفتگو نے ان کیلئے اسلام قبول کرنے کا پہلا دروازہ کھولا تھا۔

۱۹۲۳ء میں وہ مصر گئے جہاں قاہرہ میں کچھ دنوں انھوں نے قیام کیا پھر فلسطین واپس چلے آئے اور یہاں سے دمشق جانے کا ارادہ کیا

دمشق میں وہ اسلامی تہذیب سے بہت متاثر ہوئے ایک بار وہ اپنے میزبان دوست کے ساتھ جامع مسجد گئے۔ اور لوگوں کو نظم اور ڈسپلن کے ساتھ نماز ادا کرتے دیکھا تو مسجد سے نکلتے ہوئے اپنے دوست سے کہا کہ کتنی حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ آپ لوگ اللہ تعالیٰ کو اس حد تک قریب سمجھتے ہیں میری بھی خواہش ہے کہ میں بھی اسی طرح سمجھ سکوں۔ ان کے دوست نے جواب دیا کہ میرے بھائی کیا اللہ، جیسا کہ ہماری مقدس کتاب نے بتایا ہے ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب نہیں ہے۔ اس واقعہ کا ان پر خاص اثر ہوا اور دن کا بیشتر حصہ اسلامی کتابوں کے مطالعہ میں گذرنے لگے اس مطالعہ کے بعد ان کا کہنا ہے کہ ان کی نگاہوں سے ایک پردہ سا ہٹ گیا اور وہ افکار کی ایک ایسی دنیا کا مشاہدہ کرنے لگے جس سے اب تک مطلق ناواقف تھے۔

عرب ممالک میں تقریباً ۱۰ ماہ قیام کرنے کے بعد وہ پھر اپنے وطن "ویانا" لوٹ آئے مشرق وسطیٰ کا دوسرا سفر انھوں نے ۱۹۲۴ء میں کیا۔ قاہرہ کے قیام کے دوران ان کا ملنا جلنا شیخ مصطفےٰ المراغی (جو ایک بلند پایہ عالم تھے اور بعد کو شیخ ازہر بھی ہوئے) سے بھی رہا جن کی شخصیت کی چھاپ ان کے اوپر گہری پڑی۔ ۱۹۲۵ء میں وہ کابل چلے گئے۔ اور ۱۹۲۶ء میں روس، ترکستان، سمرقند، بخارا اور تاشقند وغیرہ جانے کا پروگرام بنایا۔ ۱۹۲۶ء ہی میں علامہ محمد اسد کی شادی ایلسا نامی ایک خاتون سے ہوئی۔ شادی کے وقت محمد اسد کی عمر چھبیس سال تھی اور ایلسا کی عمر چالیس سال۔ میاں بیوی دونوں ملکر قرآن پڑھتے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرتے۔ شادی کے بعد اپنی بیوی کو لیکر برلن چلے گئے۔ اسی زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ ستمبر ۱۹۲۶ء میں وہ ایک مرتبہ اپنی بیوی کے ساتھ برلن کی زمین دوز ٹرین میں سوار تھے۔ کہ اچانک ان کی نظر سامنے بیٹھے ہوئے ۔۔۔۔۔۔ ایک تاجر پر پڑی جو انتہائی مالدار تھا اس کے ہاتھ میں ہیرے کی انگوٹھی تھی اور بدن پر عمدہ پوشاک مگر وہ شخص انھیں متفکر اور غم زدہ نظر آیا۔ اسی طرح انھیں پورا

کپارٹمنٹ ایک انجانی فکر میں رکھا نظر آیا۔ حالانکہ سب کے سب انتہائی مالدار اور متمول نظر آئے انہیں خیالات میں غلطاں اور پیچاں جب وہ گھر واپس آئے تو انھیں اپنی میز پر قرآن شریف نظر آیا جس کو الگ رکھنے کے لیے اٹھایا تو اچانک ایک صفحہ کھل گیا جس میں سورہ تکاثر کی درج ذیل آیات ان کی نظر سے گذریں۔

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝ (سورہ تکاثر)

تم کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں تک کہ اسی فکر میں قبر تک پہنچ جاتے ہو ہرگز نہیں عنقریب تم کو معلوم ہو جائیگا پھر سن لو ہرگز نہیں تم کو معلوم ہو جائے گا ہرگز نہیں اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے اس روش کے انجام کو جانتے ہوتے تو تمہارا یہ طرز عمل نہ ہوتا۔ تم دوزخ دیکھ کر رہو گے پھر سن لو کہ تم بالکل یقین کے ساتھ اسے دیکھ لو گے پھر ضرور تم سے اس روز ان نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی ہو جائے گی۔

یہ دیکھ کر وہ ایک لمحہ کیلئے گم سم ہو گئے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ ہاں وہ ایک قطعی جواب تھا کہ سارے شکوک وشبہات ایک دم سے ختم ہو گئے۔ اب میں نے یقینی طور پر سمجھ لیا کہ یہ کتاب جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے خدا ہی کی نازل کی ہوئی ہے وہ اگرچہ آج سے تیرہ سو برس پہلے ایک انسان کو عطا کی گئی تھی لیکن اس میں بہت وضاحت کے ساتھ ایک ایسی چیز کی پیشین گوئی تھی جو ہمارے اس پیچیدہ اور مشینی دور سے زیادہ واضح طور پر کسی اور دور میں سامنے نہ آئی تھی (طوفان سے ساحل تک ص ۱۰۳)

اس واقعہ کا نتیجہ نکلا کہ وہ اپنے ایک ہندوستانی دوست کے پاس گئے اور ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اور چونکہ Leo کے معنی (جو محمد اسد کے نام (Leopold) کا ایک حصہ تھا) یونانی میں شیر کے ہوتے ہیں اس لئے ان کے دوست نے انھیں محمد اسد کا نام دیا چند ہفتوں کے بعد ان کی بیوی نے بھی اسلام قبول کر لیا اور دونوں نے دیار مغرب کو خیرباد کہا۔ اس لئے کہ قبول اسلام کے

کے بعد یہاں رہنا ان کے لئے بڑی مشکلات کا باعث تھا۔

جنوری ۱۹۲۷ء میں اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ ایک بار پھر وہ اسلامی دنیا کی طرف اس جذبہ کے ساتھ روانہ ہوئے کہ اب کبھی واپس نہ ہونگے۔

محمد اسد چھ سال تک سعودی عرب میں رہے جہاں ان کی ملاقات مجاہد و دیگر لوگوں کے سید احمد سنوسی سے ہوئی جن سے وہ بہت متاثر ہوئے اور ان کی ایما پر کچھ مہمات بھی انھوں نے انجام دیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے ۱۹۳۲ء میں سعودی عرب سے برصغیر کا رخ کیا اور یہاں مختلف اہم شخصیات سے ان کی ملاقاتیں رہیں۔

۱۹۴۷ء میں جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو حکومت پاکستان کی جانب سے وہ ایک جدید محکمہ "اسلامی تعمیر جدید" کی تنظیم نگرانی پر معمور کئے گئے۔ پھر اقوام متحدہ کے پاکستانی مشن کے سربراہ مقرر ہوئے۔ اس منصب سے تعلق ختم کرنے کے بعد مختلف ممالک میں ان کی علمی مشغولیات رہیں۔ "Islam at The cross Road" "The Massage of the Quran" اور "Road To Mecca" وغیرہ ان کی بعض اہم کتابیں ہیں۔

نہ جانے ایسی کتنی بے تاب روحیں ہیں جو حق کے چشمۂ صافی سے سیراب ہونے کیلئے بے قرار ہیں۔ مگر دل کی دنیا میں ہلچل پیدا کر دینے والا وہ اسلامی کردار نظر نہیں آتا۔ یہودی کی وہ ازلی روح "لیوپولڈ" کی زندگی کا رخ متعین کرنے میں فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ نسب و نسل اور زبان و علاقہ سے بلند پوری نسل انسانی کو عیال اللہ سمجھنے والا یہ کردار اگر ہم پیدا کر سکیں تو کیا عجب ہے کہ کتنے "لیوپولڈ" "محمد اسد" بن سکتے ہیں۔ ع لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

بقیہ صہ کا (اخلاقی مسئلہ) ہے کہ ازلی دشمنی کو وقتی سمجھوتہ و مفاہمت سے ختم نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس عداوت کا سرچشمہ ان کا [illegible] ہے۔ اس [illegible] میں عالم اسلام کے ایک [illegible] بالکل بجا ہے۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ اقوام متحدہ فلسطین، لبنان اور [illegible] کا منصفانہ حل تلاش کرنے کے [illegible] اور تمام متعلقہ غیر اسلامی قوتوں کی نفرت کی آگ بجھ جائے گی تو یہ محض خیال خام ہے۔ ۱؎

۱؎ رؤیۃ اسلامیۃ فی الصراع العربی الاسرائیلی ص ۵-۵

اساتذہ کرام اور طالبان علم سے

توجہ مطلوب ہے

عبد البر اثری فلاحی

"امام صاحب (احمد بن حنبلؒ) کو دہشت زدہ کرنے کی غرض سے خلیفہ کے دربار میں دو آدمیوں کی گردن آپ کے سامنے اڑائی گئی لیکن اس ہولناک ماحول میں بھی اطمینان کا یہ حال تھا کہ امام شافعیؒ کے ایک شاگرد کو دیکھ کر دریافت کرنے لگے کہ فلاں مسئلہ میں امام شافعیؒ کا کوئی قول آپ کو یاد ہے؟ حاضرین اس اطمینان کو دیکھ کر دنگ رہ گئے آپ سے عناد رکھنے والے وزیر احمد بن ابی داؤد نے تعجب سے کہا اس کو دیکھو اسے یہاں گردن اڑانے کیلئے لایا گیا ہے مگر وہ فقہی مسائل میں دلچسپی لے رہا ہے"

(کاروان اہل حق کربلا سے بالاکوٹ تک از محمد سلیمان قاسمی فرخ آبادی ص ۱۱۰-۱۱۱ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی)

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ کسی بھی کام کو حسن و خوبی انجام دینے کیلئے حالات کا سازگار اور موافق ہونا انتہائی ضروری ہے کیونکہ اس سے کام میں سہولت ہوتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ماحول سازگار نہ ہو تو کیا کام چھوڑ دینا چاہئے؟ محنت و مشقت اٹھا کر اسے انجام نہیں دینا چاہئے؟ یا کم از کم جس قدر انجام دے سکتے ہوں اس کی فکر اور جد و جہد نہیں کرنی چاہئے؟ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس سلسلے میں کسی بھی عقلمند کا جواب اثبات میں ہی ہو سکتا ہے ہر ایک یہی کہے گا کہ جس قدر وہ انجام دے سکتا ہو ضرور دے اور حالات کو سازگار بنانے کی بھی کوشش کرتا رہے۔ لیکن افسوس کہ تعلیم و تعلم کی علمی سرگرمیوں میں ہم اس کا پاس و لحاظ نہیں کرتے۔ خواہ اساتذہ کرام ہوں یا طالبان علم ہماری صورت حال یہ ہے کہ اگر گرمی کچھ بڑھ جائے تو ہمارے مطالعہ کا سلسلہ رک جاتا ہے اور کہہ بیٹھتے ہیں کہ "گرمی زیادہ ہے مطالعہ میں جی نہیں لگتا"۔ یا اسی طرح اگر کسی سے تلخی ہو جائے تو ہم پڑھنا لکھنا چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں "موڈ خراب ہے پڑھائی نہیں ہو سکتی"

اب آپ ہی ہمیں بتائیں کہ اتنی معمولی معمولی ناسازگاریاں اگر ہماری راہ کا روڑا بن جاتی ہیں اور اسی وجہ سے ہم اپنا کام کاج بند کر دیتے ہیں تو ہم عقلمند ہیں یا بے وقوف؟ ہمیں کامیاب ہونا چاہئے یا ناکام؟

امام احمد بن حنبلؒ کی زندگی کا مندرجہ بالا واقعہ غور سے پڑھیں اور بتائیں کہ ہماری یہ حالتیں زیادہ ناسازگاری رکھتی ہیں یا امام صاحب کی مذکورہ حالت ؟ ایک طرف موت سامنے کھڑی ہے اور دوسری طرف محض تھوڑی سی تکلیف ۔ اس سنگینی کے باوجود امام صاحب کا تو یہ اسوہ ہے کہ وہ موقع پاتے ہی "مسئلہ" معلوم کرنے میں لگ جاتے ہیں اور ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم معمولی سا بہانہ پا کر کام ہی چھوڑ دیتے ہیں کیا ان دونوں میں کوئی جوڑ اور تال میل ہے ؟ پھر ہم یکساں نتائج کی توقع کیسے کرتے ہیں ؟

پس اگر ہم یکساں نتائج کے خواہاں ہیں اور امامت کا درجہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی وہی اسوہ اپنانا پڑے گا جو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنایا تھا ، ورنہ صرف خواہشوں سے کچھ نہیں ہوتا ، اللہ ہم سب کو توفیق دے ۔ آمین

(بقیہ : ایک اسلامی یونیورسٹی)

۵ ۔ تجدید و احیائے دین کی تحریکات ۔

۶ ۔ مسلمان ممالک پر مغربی استعمار کے غلبہ کی تاریخ اور اس کے اثرات و نتائج ۔

مرحلہ ثالث کا کام

۱۶ ۔ مرحلہ ثالثہ میں داخل ہونے والا طالب علم مذکورہ بالا فیکلٹیوں میں سے کسی ایک میں کسی خاص موضوع پر دو سال تک علمی تحقیق کرنے کے بعد کوئی مقالہ پیش کریگا جس کو اہل علم جانچنے کے بعد اسے سند فضیلت دیں گے ۔

۱۷ ۔ اس جامعہ کے لئے کوئی اعلیٰ درجہ کی لائبریری ہونی چاہئے جس میں جامعہ کی مذکورہ بالا ضروریات کے مطابق وسیع پیمانے پر کتابیں فراہم کی جائیں ۔

۱۸ ۔ ایک کمیٹی کا تقرر اس غرض کے لئے کیا جائے کہ جامعہ کی تعلیم کے مختلف مراحل اور شعبوں کے لئے مناسب کتابوں کا انتخاب کرے ۔

۱۹ ۔ ایک اکیڈمی کا قیام اس غرض کے لئے کہ جامعہ کی ضروریات کیلئے مناسب ترین کتابیں تیار کرے ۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ایک اسلامی یونیورسٹی کا نقشہ

مولانا مرحوم کی معرکۃ الآراء کتاب "تعلیمات" کا ایک اہم باب

مختلف مسلم ممالک میں اس طرح کی تجویزیں کی جارہی ہیں کہ مسلمانوں کے نظام تعلیم میں بنیادی تغیرات کئے جائیں اور ایک ایسے جدید طرز پر اسلامی تعلیم کے ادارے قائم کئے جائیں جو مسلم نوجوانوں کو اسلام کے نصب العین کے مطابق دنیا کی رہنمائی کے لئے تیار کر سکیں لیکن اس سلسلے میں اب تک جتنے ادارے قائم ہوئے ہیں ، ان کے نقشے اور کام کو دیکھ کر عالم اسلامی کے اصحاب فکر میں سے غالباً کوئی بھی پوری طرح مطمئن نہیں ہے ۔ اس وقت درحقیقت عالم اسلامی کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ نہ تو دارالعلوم یا کلیہ شریعہ ہے جو قدیم طرز کے علماء تیار کرے اور نہ ایک جدید یونیورسٹی جو مغربی علوم کے ماہرین تیار کرے بلکہ وہ ایک ایسی جامعہ ہے جو دنیا میں اسلام کے علم بردار تیار کر سکے ۔

موجودہ نظام ہائے تعلیم

انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک تمام مسلمان ملکوں میں اس وقت دو طرح کے نظام تعلیم رائج ہیں ۔ ایک نظام تعلیم خالص مغربی ذہن و فکر رکھنے والے اور مغربی تہذیب و تمدن کے رنگ میں رنگے ہوئے آدمی تیار کر رہا ہے اور اسی کے تیار کئے ہوئے لوگ مسلم ممالک کی حکومتوں کے نظام چلا رہے ہیں ۔ انہی کے ہاتھ میں معیشت کا سارا کاروبار ہے ۔ وہی سیاست کی باگیں تھامے ہوئے ہیں ۔ اور وہی تہذیب و تمدن کی صورت گری کر رہے ہیں لیکن یہ لوگ بالعموم دین کے علم و فہم سے عاری اور مغربیت سے مرعوب و مغلوب ہیں اس لئے یہ دنیا بھر میں امت مسلمہ کی گاڑی کو روز بروز نہایت تیزی کے ساتھ اسلام کی مخالف سمت میں لئے جارہے ہیں ۔ دوسرا نظام تعلیم علوم دینی کے علماء تیار کرتا ہے ۔

جو دینی علوم سے بالعموم ناواقف ہوتے ہیں، اور مسلمانوں کے محض مذہبی شعبۂ حیات کی محافظت کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں کہیں بھی ان قابلیتوں اور ان اوصاف سے متصف نہیں ہیں جن سے یہ زندگی کی گاڑی کے ڈرائیور بن سکیں، ہر جگہ یہ صرف ایک بریک کا کام دے رہے ہیں، جس کا کام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ مقدم الذکر گروہ جس تیزی کے ساتھ امت کی گاڑی کو مخالف سمت میں لے جانا چاہتا ہے، اس میں رکاوٹ پیدا کرے اور رفتار کو سست کرتا رہے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہر مسلمان ملک میں یہ بریک روز بروز کمزور ہوتا چلا جارہا ہے، بلکہ بعض ملکوں میں تو بدست ڈرائیور اس بریک کو توڑ چکے ہیں، اور الحاد و فجور کے راستے پر بے تحاشا اپنی قوم کو دوڑائے لئے جارہے ہیں۔ قبل اس کے کہ باقی مسلمان ملکوں میں وہ وقت آئے جبکہ ہر جگہ یہ بریک ٹوٹ چکا ہو ہمیں ایک ایسا نظام تعلیم قائم کرنے کی فکر کرنی چاہئے جس سے بیک وقت دین و دنیا کے عالم تیار ہوں جس سے نکلنے والے بریک کی جگہ نہیں بلکہ امت کی گاڑی کے ڈرائیور کی جگہ سنبھالنے کے قابل ہوں، اور اپنے اخلاق و کردار کے اعتبار سے بھی اور ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے بھی مغربی طرز کے نظام تعلیم سے فارغ ہونے والوں کی بہ نسبت لائق تر ہوں۔

اس ضرورت کو مسلم دنیا کا کوئی تعلیمی ادارہ پورا نہیں کر رہا ہے۔ عالم اسلامی کے تمام اہل فکر پریشان ہیں کہ اگر ایسا ایک نظام تعلیم قائم نہ ہوا تو امت مسلمہ کو دینی و اخلاقی کی مکمل تباہی سے کیسے بچا سکے گا۔ اس طرح کا نظام تعلیم بنانے کے لئے جن وسائل کی ضرورت ہے، وہ صرف حکومتیں ہی فراہم کرسکتی ہیں، اور مسلم ممالک کی حکومتیں جیسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں ان کا حال کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، اس حالت میں میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ میرے ذہن میں اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایک تعلیمی ادارے کا جو خاکہ ہے اسے عالم اسلامی کے سامنے پیش کردوں، شاید کہ اہل علم و فکر اسے پسند کریں اور دنیا کی کوئی مسلم حکومت اس کو جامہ پہنانے کے لئے تیار ہوجائے یا اللہ کچھ اہل ثروت و اہل خیر اصحاب کا سینہ اس کام کیلئے کھول دے۔

مطلوبہ اسلامی یونیورسٹی کے اغراض و مقاصد

اس یونیورسٹی کے لئے میں اپنی تجاویز نہایت اختصار کے ساتھ سطور ذیل میں پیش کرتا ہوں:

۱۔ سب سے پہلے ضروری چیز یہ ہے کہ اس یونیورسٹی کا مقصد واضح طور پر متعین کردیا جائے تاکہ اس کا سارا نظام اسی کے لحاظ سے وضع کیا جائے۔ اس میں کام کرنے والے بھی اسی کو نگاہ میں رکھ کر کام کریں، اور اسے دیکھنے والے بھی اس معیار پر جانچ کر اسے دیکھ سکیں کہ وہ اپنے مقصد کو کہاں تک پورا کررہی ہے۔ میرے نزدیک اس کا مقصد یہ ہونا چاہئے:

"وہ ایسے صالح علماء تیار کرے جو اس دورِ جدید میں ٹھیک دینِ حق کے مطابق دنیا کی رہنمائی کرنے کے لائق ہوں۔"

۲۔ اس کو اپنا دائرہ کار صرف علوم اسلامیہ تک محدود رکھنا چاہئے۔ دوسرے علوم اس میں اس حیثیت سے پڑھائے جائیں کہ وہ علوم اسلامیہ کے لئے مددگار ہوں، نہ اس حیثیت سے کہ اس یونیورسٹی کو ان علوم کے ماہرین تیار کرنے ہیں۔

۳۔ اسے لازماً ایک اقامتی یونیورسٹی ہونا چاہئے، جس میں طالب علم ہمہ وقت رہیں اور اساتذہ بھی یونیورسٹی کے حدود میں سکونت پذیر ہوں۔

۴۔ اسے تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے کھلا ہونا چاہیے تاکہ ہر جگہ کے طالب علم آزادی کے ساتھ اس میں آکر داخل ہوسکیں۔

۵۔ اس کا پورا ماحول ایسا ہونا چاہئے، جو طلبہ میں تقویٰ اور اخلاق فاضلہ پیدا کرنے والا اور ان کے اندر اسلامی ثقافت کو مستحکم کرنے والا ہو۔ اس کو مغربی ثقافت کے اثرات سے محفوظ رکھا جانا چاہئے، تاکہ اس کے طلبہ میں وہ شکست خوردہ ذہنیت پیدا نہ ہونے پائے جو مغرب سے مغلوب اور مرعوب ہونے والی قوموں میں ہر جگہ پیدا ہورہی ہے۔ اس کے حدود میں مغربی لباس کا استعمال ممنوع ہونا چاہئے۔ اس میں طلبہ کے کھیل اور تفریحات کے لئے بھی

مغربی کھیلوں کے بجائے گھوڑے کی سواری، تیراکی، نشانہ بازی، اسلحہ کا استعمال، موٹر سائیکل اور موٹر چلانے کی مشق اور ایسی ہی دوسری تفریحات رائج کی جانی چاہئیں۔ اس کے ساتھ انھیں کسی حد تک فوجی تربیت بھی دی جانی چاہیئے۔

۶۔ اس کے لئے اساتذہ کا انتخاب بھی صرف علمی قابلیت کی بنا پر ہی نہ ہونا چاہیئے بلکہ اس کے تمام اساتذہ اپنے عقائد و نظریات اور اپنی عملی زندگی کے لحاظ سے صالح اور متقی ہونے چاہئیں۔ اس جامعہ کے لئے گہری چھان بین کے بعد ایسے اساتذہ کرام کو عالم اسلامی کے مختلف ممالک سے منتخب کیا جائے جو اعلیٰ درجے کی علمی قابلیت رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے عقائد و افکار کے لحاظ سے پورے مسلمان ہوں۔ عملاً احکام اسلامی کا اتباع کرنے والے ہوں اور مغربی ثقافت سے شکست خوردہ نہ ہوں بلکہ میں تو یہ بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اس جامعہ کے لئے جن اساتذہ کو منتخب کیا جائے ان کے متعلق یہ اطمینان بھی کر لیا جائے کہ ان کے گھر والے بھی حدود شرعیہ کی پابندی سے آزاد نہ ہوں، اس لئے کہ جامعہ کے حدود میں اگر طلبہ کے ساتھ ایسے اساتذہ رہیں جن کے گھر کی خواتین تبرج جاہلیت میں مبتلا ہوں اور جن کے گھر سے نغموں کی آوازیں بلند ہوتی رہیں تو طلبہ کو ان سے کوئی اچھا سبق نہ مل سکے گا۔

۷۔ اس کے طلبہ کو ایسی تربیت دینی چاہیئے کہ ان میں خصوصیت کے ساتھ حسب ذیل اوصاف پیدا ہوں:

(ا) اسلام اور اس کی تہذیب پر فخر اور اسے دنیا میں غالب کرنے کا عزم۔

(ب) اسلامی اخلاق سے اتصاف اور اسلامی احکام کی پابندی۔

(ج) دینی تفقہ اور مجتہدانہ بصیرت۔

(د) تنگ نظرانہ فرقہ بندی سے پاک ہونا

(ہ) تحریر و تقریر اور بحث کی عمدہ صلاحیتیں اور تبلیغ دین کیلئے مناسب قابلیتیں۔

(و) جفاکشی، محنت، چستی اور اپنے ہاتھ سے ہر طرح کے کام کر لینے کی صلاحیت۔

(ز) تنظیم و انتظام اور قیادت کی صلاحیتیں۔

۸۔ اس میں صرف وہ لوگ داخل کئے جانے چاہئیں جو ثانوی تعلیم کے مرحلے سے فارغ ہو چکے ہوں۔ عرب ممالک سے آنے والے طلبہ براہ راست اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن غیر عرب ممالک کے طلبہ اگر عربی زبان میں کافی استعداد نہ رکھتے ہوں تو ان کے لئے کم از کم ایک سال کا کورس الگ ہونا چاہیئے تاکہ انھیں عربی زبان کی کتابوں سے استفادہ کے قابل بنایا جا سکے۔

یونیورسٹی کے تعلیمی مراحل

۹۔ اس تعلیم کو ۹ سال کے تین مرحلوں پر مشتمل ہونا چاہیئے۔ مرحلہ اولیٰ ۴ سال، مرحلہ ثانیہ تین سال اور مرحلہ ثالثہ دو سال

مرحلہ اولیٰ کا نصاب

۱۰۔ مرحلہ اولیٰ میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم ہونی چاہیئے اور ان کو تعلیم کی چار سالہ مدت پر مناسب طریقے سے تقسیم کر دینا چاہیئے۔

ا۔ عقائد اسلام ۔ اس تفصیل کے ساتھ کہ قرآن و سنت کی رو سے اسلام کے عقائد کیا ہیں اور ان کے حق میں کیا نقلی اور عقلی دلائل ہیں۔ اس سلسلے میں اختصار کے ساتھ یہ بھی بتایا جائے کہ مسلمانوں میں اختلافِ عقائد کیسے اور کس ترتیب سے رونما ہوا ہے اور اس لحاظ سے دنیائے اسلام میں کتنے مذاہب پائے جاتے ہیں۔ اس درس کو بیانِ علمی کے حدود سے متجاوز نہ ہونا چاہیئے اور تعرّبِ عقائد سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہیئے۔

ب۔ اسلامی نظامِ حیات ۔ اس مضمون میں طلبہ کو پورے اسلامی نظام سے روشناس کرا دیا جائے۔ اسلام کی بنیاد کن اساسی تصورات پر قائم ہے۔ ان تصورات کی بنا پر وہ اخلاق اور سیرت کی تشکیل کس طرح کرتا ہے۔ پھر گھر اور خاندان سے لیکر معیشت، سیاست اور بین الاقوامی تعلقات تک مسلم سوسائٹی کی زندگی کے مختلف شعبوں کو وہ کن اصولوں پر منظم کرتا ہے، اور اس سے پوری اسلامی تہذیب کی کیا شکل بنتی ہے۔

ج۔ قرآن۔ چار سال کی مدت میں پورا قرآن مختصر تفسیر کے ساتھ پڑھا دیا جائے۔ اسکے لئے تفسیر کی کوئی خاص کتاب مقرر کرنے کے بجائے استاد کو خود کتب تفاسیر سے استفادہ کرتے ہوئے اس طرح قرآن کا درس دینا چاہیئے کہ طلبہ کتاب الٰہی کا مقصود و مدعا اچھی طرح سمجھ لیں اور جو شکوک و شبہات انکے ذہن میں پیدا ہوں وہ رفع کردیئے جائیں۔

د۔ حدیث۔ اس مضمون میں اجمالاً تاریخ علم حدیث اور اصول حدیث اور دلائل حجیت حدیث سے طلبہ کو ضروری حد تک آگاہ کرنے کے بعد سنن کے مجموعوں میں سے کوئی ایک کتاب مکمل پڑھا دی جائے۔ مثلاً منتقی الاخبار یا بلوغ المرام یا مشکوٰۃ المصابیح۔

ہ۔ فقہ۔ اس مضمون میں تاریخ فقہ اور اصول فقہ پر ایک ایک مختصر کتاب پڑھانے کے بعد طلبہ کو فقہ کی تعلیم اس طرح دی جائے کہ وہ مسائل فقہیہ میں مختلف فقہاء کے مذاہب سے بھی واقف ہوتے جائیں۔ اور ان کو یہ بھی معلوم ہوجائے کہ ماخذ شریعت سے ائمہ مجتہدین نے کس طرح مسائل کا استنباط کیا ہے۔

و۔ تاریخ اسلام۔ اس کا آغاز تاریخ انبیاء علیہم السلام سے کیا جائے اور بعد خصوصیت کے ساتھ سیرت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین کے دور کو زیادہ تفصیل کے ساتھ پڑھانے کے بعد مختصراً پوری اسلامی تاریخ سے طلبہ کو روشناس کرادیا جائے۔

ز۔ علوم عمران (SOCIAL SCIENES) خصوصاً معاشیات، سیاسیات اور سوشیالوجی۔ ان مضامین کی تعلیم کے لئے ایسے اساتذہ کا انتخاب کیا جائے جو اسلامی نقطۂ نظر سے تنقید کے ساتھ تعلیم دے سکیں۔ مغربی افکار و نظریات جوں کے توں طلبہ کے ذہن میں نہ اتار دیں۔

ح۔ ادیان عالم: خصوصاً یہودیت، عیسائیت، بدھ مذہب اور ہندو مذہب سے اجمالی واقفیت۔

ط۔ جدید مغربی افکار کی مختصر تاریخ اور ان کے مذاہب۔ خصوصاً مغربی جمہوریت، اشتراکیت اور فسطائیت وغیرہ۔

ی۔ انگریزی، جرمن اور فرنچ میں سے کوئی ایک زبان۔

مرحلہ ثانیہ کا نصاب

۱۰۔ مرحلہ ثانیہ میں پانچ فیکلٹیاں ہونی چاہئیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، علم الکلام اور تاریخ

۱۱۔ تفسیر کی فیکلٹی میں حسب ذیل مضامین ہونے چاہئیں:

۱۔ تاریخ القرآن

۲۔ تاریخ علم تفسیر اور مفسرین کے مختلف مذاہب اور ان کی خصوصیات۔

۳۔ اختلاف قرأت۔

۴۔ اصول تفسیر۔

۵۔ قرآن مجید کا تفصیلی اور گہرا مطالعہ۔

۶۔ مخالفین کی طرف سے قرآن پر آج تک جتنے اعتراضات کیئے گئے ہیں ان کا جائزہ اور ان کے جوابات

۷۔ احکام القرآن

۱۲۔ حدیث کی فیکلٹی

۱۔ تاریخ تدوین حدیث

۲۔ علوم حدیث اپنے تمام شعبوں کے ساتھ

۳۔ حدیث کی امہات کتب میں سے کوئی ایک کتاب تفصیل و تنقید کے ساتھ تاکہ طلبہ کو محدثانہ طریقے پر احادیث کے پرکھنے کی اچھی طرح مشق ہوجائے۔

۴۔ کتب صحاح پر ایک جامع نظر

۵۔ حدیث پر مخالفین کی طرف سے اب تک جتنے اعتراضات کیئے گئے ہیں انکا تفصیلی جائزہ اور ان کے جوابات۔

۱۳۔ فقہ کی فیکلٹی میں

۱۔ اصول فقہ

۲۔ تاریخ فقہ

۳۔ فلسفۂ قانون جدید

۴۔ رومی و ایرانی قوانین، یہودی شریعت، جدید وضعی قوانین اور اسلامی قوانین کا تقابلی مطالعہ۔

۵۔ فقہائے اسلام کے مختلف مذاہب اور ان کے اصول۔

۶۔ قرآن و سنت سے براہ راست استنباط مسائل کی مشق۔

۷۔ اہل سنت کے چاروں مذاہب کی فقہ اور اس کے ساتھ فقہ ظاہری، فقہ زیدی اور فقہ جعفری بھی۔

۱۴۔ علم الکلام کی فیکلٹی میں

۱۔ مبادی منطق

۲۔ فلسفہ قدیم و جدید

۳۔ مسلمانوں میں علم کلام کے آغاز سے ابتک کی تاریخ اور ان مذاہب کی تفصیل جو اندرونی اور بیرونی اثرات سے مسلمانوں کے اندر پیدا ہوئے ہیں

۴۔ علم الکلام کے مسائل اور ان میں قرآن و سنت کی رہنمائی۔

۵۔ اسلام پر مخالفین کے اعتراضات کا تفصیلی جائزہ اور اسکے جوابات۔

۶۔ تقابل ادیان خصوصاً مسیحیت کی تاریخ اور اس کے فرقوں اور اس کے علم الکلام کا تفصیلی مطالعہ۔

۷۔ مسیحی مشنریوں کا کام اور ان کے طریقے۔

۱۵۔ تاریخ اسلام کی فیکلٹی میں۔

۱۔ فلسفۂ تاریخ، مقصد مطالعۂ تاریخ اور طرز مطالعہ تاریخ قرآن مجید کی رو سے۔

۲۔ فلسفہ تاریخ کے مختلف مذاہب ابن خلدون سے اب تک۔

۳۔ تاریخ عرب و شرق اوسط قبل اسلام۔

۴۔ تاریخ اسلام عہد نبوی سے ابتک بلحاظ فکر، اخلاق، علوم تمدن و سیاست۔

(بقیہ صفحہ ۲۳ پر)

ردیف

ردیف شعرائے عجم کی ایجاد ہے کیونکہ اشعار عربی میں ردیف نہیں آتی۔ شعر میں ردیف کا لے آنا کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ محسنات سے ہے۔ جس شعر میں ردیف ہوتی ہے اس شعر کو مردف کہتے ہیں۔

مردف شعر کی مثال ملاحظہ ہو۔

میرے ساقی نے جو چھیڑی گلفام کی بات
بادہ کش بھول گئے گردش ایام کی بات — (منور بن محبوب)

آپ دیکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا شعر میں "گلفام۔ ایام" بطور قوافی استعمال ہوئے ہیں اور دونوں مصرعوں کے آخر میں دو کلمہ مستقل "کی بات" کی بات "بطور ردیف استعمال ہوئے ہیں۔ ایسے شعر کو مردف کہتے ہیں۔

معلوم ہو کہ جس شعر میں ردیف نہیں ہوتی اس شعر کو غیر مردف کہتے ہیں۔ غیر مردف کی مثال ملاحظہ ہو

سلف کی دیکھ رکھو راستی اور راست اخلاق
کہ اُن کے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ ہیں باقی

مذکورہ بالا شعر میں آئے ہوئے قوافی (اخلاق اور باقی) کے بعد کوئی ردیف نہیں آئی ہے۔ ایسے شعر کو غیر مردف کہتے ہیں۔

معلوم ہو کہ ردیف کے لغوی معنی ہیں "وہ شخص جو کسی سوار کے پیچھے بیٹھا ہو" اصطلاح شعر میں اُس کلمہ مستقل کو ردیف کہتے ہیں جو مصرعوں کے آخر میں قافیہ کے بعد بار بار آئے خواہ وہ ایک کلمہ مستقل ہو یا ایک سے زیادہ ہو۔ کلمہ مستقل سے مراد وہ لفظ جو اپنی صورت اور ہیأت نہ بدلے اور بار بار آئے۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ

ایک شعر میں ایک ہی ردیف نہیں بلکہ کئی ردیفیں آسکتی ہیں اور اس کی کوئی قید نہیں ہے۔

ردیف کی دو قسمیں ہیں (۱) ردیف حاجب (۲) ردیف غیر حاجب۔ ردیف حاجب کا بیان آگے آئے گا۔ ابھی آپ یہاں ردیف غیر حاجب کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں ہم ایک ایسا شعر بطور مثال پیش کر رہے ہیں جس میں صرف ایک کلمۂ مستقل یعنی ایک ردیف کا استعمال ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حریم خاص تک اپنی نظر نے کام کیا
ہزار آپ نے پردے کا اہتمام کیا ——— شفیق جونپوری

مذکورہ بالا شعر میں قافیوں (کام۔ اہتمام) کے بعد ایک کلمۂ مستقل یعنی "کیا" بالکل آخر میں بار بار آیا ہے۔

ابھی اس سے پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ ایک شعر میں ایک ہی ردیف نہیں آتی بلکہ کئی ردیفیں آتی ہیں اور اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ مندرجہ ذیل مثالوں سے یہ بات اور واضح ہو جائے گی۔ لہٰذا دو ردیفوں کی مثال ملاحظہ ہو۔

جو دیکھی بارگاہ حضرت پیر مغاں میں نے
لٹا دی ایک ساغر پر متاع دو جہاں میں نے ——— شفیق جونپوری

مذکورۂ بالا شعر میں قافیوں (مغاں۔ دو جہاں) کے بعد دو کلمۂ مستقل یعنی میں نے بالکل آخر میں بار بار آئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح تین ردیفوں کی مثال ملاحظہ ہو۔

مضطر ہے بہت میری طبیعت کئی دن سے
دیکھی جو نہیں آپ کی صورت کئی دن سے ——— حسرت موہانی

مذکورۂ بالا شعر میں قافیوں (طبیعت۔ صورت) کے بعد تین کلمۂ ہائے مستقل یعنی کئی دن سے بالکل آخر میں بار بار آئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح چار ردیفوں کی مثال ملاحظہ ہو۔

کتاب عشق کے اُلٹے ورق اول سے آخر تک
مگر سمجھے نہ ہم اس کا سبق اول سے آخر تک ——— داغ دہلوی

مذکورہ بالا شعر میں قافیوں (ورق۔ سبق) کے بعد چار کلمہ ہائے مستقل یعنی اول سے آخر تک بالکل آخر میں بار بار آئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح پانچ ردیفوں کی مثال ملاحظہ ہو۔

لوگوں سے نہ اتنا مل پیارے رفتار زمانہ ٹھیک نہیں
اک پھول ہے تیرا دل پیارے رفتار زمانہ ٹھیک نہیں ——— عبدالحمید عدم

مذکورہ بالا شعر میں قافیوں (مل۔ دل) کے بعد پانچ کلمۂ ہائے مستقل یعنی پیارے رفتار زمانہ ٹھیک نہیں بالکل آخر میں بار بار آئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح چھ ردیفوں کی مثال ملاحظہ ہو۔

اُس شوخ کو رسوا نہ کیا ہے نہ کریں گے
ہم نے کبھی ایسا نہ کیا ہے نہ کریں گے ——— حسرت موہانی

مذکورہ بالا شعر میں قافیوں (رسوا۔ ایسا) کے بعد چھ کلمہ ہائے مستقل یعنی نہ کیا ہے نہ کریں گے بالکل آخر میں بار بار آئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح سات ردیفوں کی مثال ملاحظہ ہو۔

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو ——— داغ دہلوی

مذکورۂ بالا شعر میں قافیوں (تھا۔ کا) کے بعد سات کلمہ ہائے مستقل یعنی تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو بالکل آخر میں بار بار آئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح آٹھ ردیفوں کی مثال ملاحظہ ہو۔

ترے ہاتھوں سے کچھ مرے حق میں ذرا نہ بھلا ہی ہوا نہ بُرا ہی ہوا
بُرا گرچہ رقیبوں نے تجھ سے کہا نہ بھلا ہی ہوا نہ بُرا ہی ہوا

مذکورۂ بالا شعر میں قافیوں (ذرا۔ کہا) کے بعد آٹھ کلمہ ہائے مستقل یعنی نہ بھلا ہی ہوا نہ بُرا ہی ہوا بالکل آخر میں بار بار آئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح نو ردیفوں

کی مثال ملاحظہ ہو۔

؎ تمہارے عاشق کو کیا ہوا ہے نہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے
وہ مست مجذوب ہو گیا ہے نہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے

مذکورہ بالا شعر میں قافیوں (ہوا، گیا) کے بعد نو کلمہ ہائے مستقل یعنی ہے، نہ، منہ، سے، بولے، نہ، سر، سے، کھیلے بالکل آخر میں باربار آئے ہیں اسی طرح دس ردیفوں کی مثال ملاحظہ ہو۔

؎ محبت میں غم میں نے کیا کیا اٹھائے نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم کہہ سکو گے
زمانے نے کتنے ستم دل پہ ڈھائے نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم کہہ سکو گے

مذکورہ بالا شعر میں قافیوں (اٹھائے، ڈھائے) کے بعد دس کلمہ ہائے مستقل یعنی نہ، میں، کہہ، سکوں، گا، نہ، تم، کہہ، سکو، گے۔ بالکل آخر میں باربار آئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اگیارہ ردیفوں کی مثال ملاحظہ ہو۔

؎ مریض شب ہجر یہ کہہ رہا تھا نہ تم مل سکو گے نہ ہم مل سکیں گے
سوا اس کے اور اس کو کہنا ہی کیا تھا نہ تم مل سکو گے نہ ہم مل سکیں گے ——— (منصور حسن محبوب)

مذکورہ بالا شعر میں قافیوں (رہا، کیا) کے بعد اگیارہ کلمہ ہائے مستقل یعنی تھا، نہ، تم، مل، سکو، گے، نہ، ہم، مل، سکیں، گے۔ بالکل آخر میں باربار آئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح بارہ ردیفوں کی مثال ملاحظہ ہو۔

؎ واں تو کینہ ہو جفا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو
یاں محبت ہو وفا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

مذکورہ بالا شعر میں قافیوں (جفا، وفا) کے بعد بارہ کلمہ ہائے مستقل یعنی ہو، یہ، بھی، ہو، اور، وہ، بھی، ہو، اور، کچھ، نہ، ہو۔ بالکل آخر میں باربار آئے ہوئے ہیں۔ اگر اساتذہ کے کلام دیکھے جائیں تو ایک شعر میں اس سے بھی زیادہ ردیفیں مل سکتی ہیں۔

بعض اشعار میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شروع کے ایک رکن کو چھوڑ کر سارے ارکان ردیف ہیں۔ ؎ سر اپنا نثار فرق جاناں کیجیے
زر اپنا نثار فرق جاناں کیجیے

مذکورہ بالا شعر میں قافیوں (سر، زر) کے بعد سارے ارکان ردیف ہیں۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ قافیہ کے لیے ردیف ضروری نہیں ہے لیکن ردیف کے لیے قافیہ بہت ضروری ہے۔ ردیف کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جس صورت میں ہے اسی صورت میں باربار آئے، چاہے وہ لفظ کے اعتبار سے ہو یا معنی کے اعتبار سے ہو یا لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے ہو۔

معلوم ہو کہ لفظ کے اعتبار سے مراد ہے کہ ردیف کا لفظ جس معنی کے تحت استعمال ہوا ہے اسی معنی میں باربار استعمال ہو اور معنی کے اعتبار سے مراد ہے کہ ردیف کا لفظ کہیں کسی معنی میں استعمال ہو اور کہیں کسی معنی میں استعمال ہو لیکن صورت و ہیئت میں فرق نہ آنے پائے۔

ابھی اوپر کی مثال میں جتنے اشعار آئے ہوئے ہیں اُن کی ردیفیں لفظ کے اعتبار سے واقع ہوئی ہیں۔ ہاں اب آپ یہاں معنی کے اعتبار سے واقع ہونے والی ردیفوں کی مثال ملاحظہ فرمائیں۔ ؎ مہرباں ہو کے جب ملیں گے آپ
جو نہ ملتے تھے سب ملیں گے آپ ——— دہلوی

مذکورہ بالا شعر میں قافیوں (جب، سب) کے بعد ملیں گے آپ ردیفیں ہیں جس میں لفظ "آپ" بمعنی تو اور تم کے ہے جو تعظیماً استعمال کیا گیا ہے لیکن دوسرے مصرعہ میں لفظ آپ بمعنی خود کے ہے یعنی اپنے آپ سے۔ مطلب یہ کہ پہلے مصرعہ میں لفظ آپ جس معنی میں استعمال ہوا ہے دوسرے مصرع کا لفظ آپ اُسی معنی میں نہیں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح معنی کے اعتبار سے واقع ہونے والی ردیف کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

؎ ابر فرقت میں نظر آ گئی جس دم بدلی
دل سے مطلق نہ ہوائے الم و غم بدلی

مذکورہ بالا شعر میں قافیوں (دم، غم) کے بعد "بدلی" ردیف ہے۔ پہلے مصرع کا لفظ "بدلی" گھٹا کے معنی میں ہے اور دوسرے مصرع کا لفظ "بدلی" بدلنے کے معنی میں ہے۔

یہاں تک ردیف غیر حاجب کا بیان ختم ہوا۔

٭ ٭ ٭

عبد البر اثری فلاحی

تعارف وتبصرہ

نام کتاب :- دین اور دعوت

مصنف :- مولانا اسعد اسرائیلی فاضل دیوبند

ضخامت :- ۱۵۲ صفحات کتابت وطباعت : اوسط

قیمت :- ۲۵ روپئے سنہ اشاعت : سنہ ۱۹۹۱ء

ناشر :- ادارہ شعور حق ہلالی سرائے سنبھل ضلع مرادآباد

یو۔پی ۲۴۴۳۰۲

تقسیم کار :- مکتبہ الحسنات ۲۲۴۱ کوچہ چیلان دریا گنج

نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

بہت ہی مشہور مثل ہے " درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے "، میں یہ سمجھتا ہوں کہ مولانا اسعد اسرائیلی صاحب اس کے بہترین مصداق ہیں کیونکہ انھیں بھی اس کتاب کے ذریعے بخوبی پہچانا جا سکتا ہے۔ میرے علم کی حد تک غالباً یہ مولانا کی پہلی تصنیف ہے لیکن جس نازک موضوع کو انھوں نے چھیڑا ہے اور جس خوبصورتی سے اسے نبھایا ہے وہ ان کی خداداد صلاحیت کی غماز ہے اور جس کا واقعی اندازہ ہر قاری اس کتاب کے مطالعہ کے بعد بخوبی لگا سکتا ہے۔

اللہ نے زندگی گذارنے کے لئے انسانوں کو جو اصول دیئے، اپنی بندگی کا جو بنیادی تصور دیا اور اس کے جو اساسی طریقے سکھائے مذاہب وادیان کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ بارہا انسانوں نے اپنی دنیا پرستانہ ذہنیت اور فکر ونظر کی لغزشوں کی وجہ سے انھیں کچھ سے کچھ بنا دیا اور دین حق کی وحدت مذاہب کی کثرت میں بدلتی

یہی نتیجہ مطلوبہ دین داری اور حقیقی خداپرستی کی بے شمار تعبیریں سامنے آئیں۔ میری سمجھ سے کچھ ایسی ہی صورت حال آج بھی پیدا ہو گئی ہے ایسے میں ہر فرد کے لئے صحیح تعبیر کو پالینا انتہائی مشکل کام ہے چنانچہ ضرورت مقتضی تھی کہ آج کی گوناگوں تعبیروں کا معروضی مطالعہ کر کے جائزہ لیا جائے اور صحیح تعبیر تک پہنچنے کی کوشش کی جائے پھر اسے لوگوں کے سامنے رکھ دیا جائے۔ میری سمجھ سے موصوف کی یہ کتاب اسی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ چنانچہ موصوف نے کتاب کے پیش لفظ میں لکھا بھی ہے۔

" دین کا صحیح تصور کیا ہے اس کا حقیقی مزاج کیا ہے اور وہ کس طرح کی نفسیات اپنے پیروکاروں میں پیدا کرنا چاہتا ہے اس کا مشن کیا ہے اور اس کے حصول کیلئے وہ کون سا طریقہ کار متعین کرتا ہے اس کتاب کے ذریعے قرآن وسنت اور اسوۂ سلف کی روشنی میں ان سوالوں کا ایک واضح اور قطعی جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے" (ص۱۰)

لیکن جو کچھ شائع کیا گیا ہے وہ ابھی ادھورا ہے جیسا کہ موصوف نے خود لکھا ہے۔

" یہ ایک معروضی اور دستاویزی کتاب ہے جس کا صرف ایک حصہ اس وقت شائع کیا جا رہا ہے " (ص۱۰)

میں یہ چاہوں گا کہ بقیہ مباحث بھی جلد از جلد شائع کر دیئے جائیں تاکہ انکے مطالعہ کے بعد قاری آخری اور حتمی نتیجے تک پہنچ سکے۔ پھر بھی جو کچھ شائع کیا گیا ہے وہ غنیمت ہے اور ہر ایک کو اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے خصوصاً غیر جانبدار افراد اور تحریک اسلامی سے وابستہ نئی ٹیم کو تو ضرور اس کا مطالعہ کرنا چاہئے کیونکہ جس باریک بینی سے انھوں نے جائزہ لیا ہے اور جن جن پہلوؤں پر انھوں نے انگشت نمائی کی ہے شاید ہی کہیں اور یہ چیز میسر آسکے۔ " مشتے نمونہ از خروارے " کے طور پر ذرا حرف آخر کا ایک پیراگراف ملاحظہ فرمائیں جس کے اندر انھوں نے مختصراً یہ بتایا ہے کہ تصور کی تبدیلی کیونکر اور کیسے در آتی ہے۔ پھر کیا گل کھلاتی ہے۔

"ان کی بنیادی وجہ وہ ذہن ہے جو رائج الوقت تصورِ مذہب کو اسلام پر بھی چسپاں کرنا چاہتا ہے وہ ذہن جو مذہب کو خدا اور بندے کا پرائیوٹ تعلق مانے گا جو دین کا دائرہ دعوت محدود کرنا چاہے گا جو زندگی کی تقسیم کرکے اسے مذہب اور سیاست کے دو خانوں میں بانٹے گا جو شخصیت پرستی اور اندھے اعتقاد پر تحریکوں کی بنیاد رکھنا چاہے گا جو نظریۂ بقائے باہم پر یقین رکھے گا اور ساری دنیا کو خدا بیزار نظامِ اجتماعی کے حوالے کرکے خود مسجد میں گوشہ نشین ہونا چاہے گا یقیناً وہ ذہن دین کی جامعیت کے تصور سے صرفِ نظر کرے گا اسے یقیناً اپنے ماخذ بدلنے ہوں گے وہ اللہ کی کتاب کی جگہ متبادل انسانی کتابوں کو تقدس عطا کرے گا، احادیث صحیحہ کی جگہ ضعیف احادیث کو اپنی پناہ گاہ بنائے گا علمائے حق کی جگہ "ذاتی کشف" سے اپنی تحریک کے اصول مرتب کرے گا وہ قرآنی آیات، احادیث اور اقوالِ سلف کا صرف وہ انتخاب سامنے لائے گا جو اس کے مزعومہ تصورِ ذہن سے ہم آہنگ ہو وہ اسلام کے اصطلاحی الفاظ کے مفہوم میں خاموشی کے ساتھ ایسا تغیر کر دے گا کہ وہ اس کے تصورِ دین میں فٹ ہو جائیں اور ماحول سے کشمکش کا کوئی اندیشہ بھی موجود نہ رہے وہ امر بالمعروف کے فریضے کو صرف اخلاقی و تعبدی امور سے جوڑ دے گا نہی عن المنکر سے بچنے کا مشورہ دے گا "تبلیغ" کا ترجمہ "اصلاح" "توحید" کا مطلب خدا کو ایک سمجھنا "شرک" کا مطلب مورتی پوجا کرنا "ہجرت" کا ترجمہ سفر "جہاد" کا ترجمہ دینی خدمت "ذکر" کا مطلب ورد "عبادت" کا ترجمہ پوجا اور "دین" کا ترجمہ خدا اور بندے کے درمیان پرائیوٹ تعلق قرار دے گا ظاہر ہے کہ اس سے تحریکِ اسلامی کا تصور بدل جائے گا جس کے نتیجے میں اس کا میدان بدل جائے گا اور اسی اعتبار سے اس کے مراحل بھی بدل جائیں گے اور اس کے نتائج بھی مختلف ہو جائیں گے" (مؤلف)

چند قابل توجہ امور :-

۱۔ حوالے ناقص ہیں جو بہر حال کتاب کے معیار کو متاثر کرتے ہیں انھیں مکمل کر دینا چاہیے

مقامات حسب ذیل ہیں۔

ص ۱۴۲، ص ۱۴۳، ص ۱۲۷، ص ۱۲۵ ص ۹۷ ص ۵۸ ص ۴۰ وغیرہ۔

۲۔ حوالے اصل مراجع سے دیئے جائیں تو بہتر رہتا ہے خصوصاً احادیث وغیرہ کے حوالے میں تو یہ چیز ضرور ملحوظ رہنی چاہیے جا بجا اس کی رعایت نہیں کی گئی ہے مثلاً ص ۴۳ پر سورہ توبہ آیت ۳۱ کی تشریح میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے اور حوالے میں تفسیر مظہری کا حوالہ دیا گیا ہے حالانکہ اصل مرجع کا حوالہ دینا چاہیے تھا یعنی یہ کہ کس حدیث کی کتاب میں ہے مثلاً یہی حدیث مسند امام احمد اور جامع ترمذی میں ہے لہٰذا حوالے میں ان کتب حدیث کا نام اور ان کا حوالہ ہونا چاہیے تھا۔

۳۔ اس بات کا بھی التزام کرنا چاہیے کہ جس کتاب کا تذکرہ کریں اس کا حوالہ دیں اسے بھی کہیں کہیں ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے مثلاً ص ۱۳۵ پر " امام نوویؒ "کتاب الاذکار" میں تحریر فرماتے ہیں" لکھنے کے بعد ایک اقتباس نقل کیا گیا ہے لیکن اخیر میں حوالہ کی تفصیل "کتاب الاذکار" سے دینے کے بجائے "نزہۃ الناظرین" کی نقل کی گئی ہے۔

اس سے سنگین بات یہ ہے کہ اس اقتباس کے اخیر میں جو حدیث نقل کی گئی ہے وہ "کتاب الاذکار" میں مذکور نہیں ہے حالانکہ اسے اس انداز سے نقل کیا گیا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بھی علامہ نوویؒ نے بطور دلیل پیش کی ہے جبکہ صورت واقعہ یہ نہیں ہے۔

۴۔ اسی طرح احادیث کے الفاظ وغیرہ نقل کرنے میں حد درجہ احتیاط برتنی چاہیے ورنہ مفہوم کے بدل جانے کا اندیشہ رہتا ہے جیسا کہ ص ۵۹ پر بخاری کی ایک حدیث نقل کی گئی ہے "خیر الناس للناس تأتون بهم ....." اور اسی لحاظ سے ترجمہ بھی کیا گیا ہے حالانکہ بخاری کے اندر "تأتون" کے بجائے "یأتون" ہے

اسی طرح ص ۳۰ پر "النکاح نصف الایمان" کو اسی انداز سے نقل کیا گیا ہے گویا یہ حدیث کے الفاظ ہیں حالانکہ احادیث میں میرے علم کی حد تک ایسی کوئی عبارت

نہیں صرف ایک حدیث اس مفہوم کی ہے کہ نکاح نصف دین ہے لیکن نصف الایمان کی بات تو کہیں کہیں نہیں ملی، نصف ایمان اور نصف دین دونوں میں بہرحال فرق ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ کہیں کہیں درمیان میں سے بعض عبارتیں ہی چھوٹ گئی ہیں جس کی وجہ سے معنی میں خلل واقع ہو گیا ہے مثلاً صفحہ ۴۹ پہ مسلم شریف سے ایک حدیث کا صرف ترجمہ نقل کیا گیا ہے، اس میں آٹھویں سطر کے اندر "... اور انھوں نے تابیر چھوڑ دی" کے بعد اصل متن فنغضت او فنقصت کا ترجمہ چھوٹ گیا ہے۔

۵۔ جو عبارت نقل کی گئی ہے اس کا مکمل ترجمہ دینا چاہئے ادھورا نہیں اس کی رعایت مختلف مقامات پر نہیں کی گئی ہے مثلاً صفحہ ۵۵ پہ تفسیر جامع البیان سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے "الامر بالمعروف من فروض الکفایات والمتصدی لہ شروط قال الضحاک ہم الصحابۃ والمجاہدون والعلماء والخطاب للجمیع"۔ اس کے ترجمہ میں "الامر بالمعروف من فروض الکفایات" اور "والخطاب للجمیع" کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور صرف بقیہ درمیانی عبارت کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ اگر اتنا ہی مقصود تھا تو پھر بقیہ عبارت نقل ہی نہیں کرنا چاہئے تھا۔

اسی طرح یہ چیز بھی درست نہیں کہ اصل عربی عبارتیں ادھوری نقل کی جائیں اور ترجمہ پوری عبارت کا نقل کیا جائے جیسا کہ صفحہ ۵۷ اور صفحہ ۱۲۷ پہ ابن تیمیہ نیز صفحہ ۵۹ پہ علامہ زمخشریؒ، علامہ شاطبیؒ اور علامہ قرطبیؒ وغیرہم کی عبارتوں کو نقل کرنے میں کیا گیا ہے کیونکہ اس سے غلط فہمی کا اندیشہ ہے۔

۶۔ تصحیح کی طرف بھی خصوصی توجہ دینی چاہئے خواہ ترتیب و تدوین کی ہو یا کتابت کی ہو کیونکہ مفہوم و مدعا چاہے نہ بدلے حسن تو داغدار ہو ہی جاتا ہے۔ چند ملاحظہ ہوں۔

الف:۔ فہرست میں صفحہ نمبر نہیں دیا گیا

ب:۔ پوری کتاب میں صفحہ نمبر عربی میں دیا گیا ہے جبکہ کتاب اردو زبان میں ہے

ج:۔ صفحات کی ترتیب الٹ گئی ہے مثلاً صفحہ ۱۰۲ اصلاً صفحہ ۱۰۳ ہے اور اسے وہیں ہونا چاہئے۔ (باقی صفحہ ۵۱ پر)

اخبار علمیہ

ابن العلم فلاحی کے قلم سے

انجیل کا پہلا مطبوعہ نسخہ

دنیا میں پہلی چھپی ہوئی انجیل جس کی قیمت دس لاکھ ڈالر سے زائد ہے جو اس سال کھلے عام فروخت ہو گی نیلام کے ادارے کرسٹی نے بتایا کہ انجیل کا لاطینی زبان میں یہ قدیم نسخہ یادریا میں جوہان گٹنبرگ نے چھاپا تھا جو پہلی چھپی ہوئی انجیل ہے خیال ہے کہ یہ نسخہ ۵۴۰ سال پرانا ہے انجیل کا یہ نسخہ ۴۸ جلدوں میں سے ایک ہے جس کو کرسٹی کا ادارہ جرمنی زبان میں نادر و نایاب کتابوں کے ساتھ فروخت کرے گا

(ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی مارچ و اپریل ۱۹۹۶ء صفحہ ۳۸)

عظیم انگریزی۔ اردو لغت

پاکستان سے یہ بہت ہی خوش آئند خبر آئی ہے کہ وہاں "مقتدرہ قومی زبان" کی "قومی انگریزی۔ اردو لغت" مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب چھپ کر بازار میں آگئی ہے ...... یہ لغت الفاظ و معنی کے اعتبار سے اب تک شائع ہونے والی لغت میں سب سے جامع ہے جو ویبسٹر ڈکشنری WEBSTER DICTIONARY کو بنیاد بنا کر تیار کی گئی ہے اس میں تقریباً دو لاکھ اندراجات ENTRIES ہیں یہ کم و بیش سارے علوم و فنون کے الفاظ کا احاطہ کرتی ہے اس میں امریکی و برطانوی انگریزی کا املا، معنی اور روز مرہ محاورات بھی ایک ساتھ شامل کئے گئے ہیں نیز ایک لفظ کے وہ سارے معنی درج کئے گئے ہیں جن معنی میں وہ لفظ مستند کتابوں میں استعمال ہوا ہے اگر ایک لفظ کے معنی ریاضی اور طبیعات میں مختلف ہیں تو اس علم کا عنوان دے کر اس کے معنی الگ الگ بتلائے گئے ہیں کہ لغت استعمال کرنے میں آسانی ہو۔

اسی طرح ایک لفظ کے معنی اسم، فعل، متعلق فعل وغیرہ کی صورت میں بھی دیئے

گئے ہیں۔ اس لغت کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مترادفات بھی معنی کی مناسبت ممکنہ حد تک زیادہ تعداد میں دیئے گئے ہیں تاکہ اپنی مرضی اور ضروریات کا لفظ تلاش کرنے میں سہولت رہے۔ اسی لئے یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے پہلی لغت ہے اور اردو زبان میں لکھنے اور کام کرنے والے محققین، مترجمین، معلمین، صحافیوں، قلم کاروں اور طلباء وغیرہ کیلئے یکساں طور پر مفید رہے گی میں سمجھتا ہوں کہ یہ لغت خاص طور پر اخباری مترجمین کیلئے ایک نعمت ثابت ہوگی کیونکہ مولوی عبدالحق صاحب کی ڈکشنری آج زمانے سے ہم آہنگ نہیں ہے یہ ڈکشنری اتنی مستند، وسیع اور ضخیم ہے جو اکیسویں صدی کے علمی وادبی تقاضوں کو کما حقہ پورا کرسکے گی اور ہمیں تمام دوسری انگریزی، اردو ڈکشنریوں سے بے نیاز کردے گی۔

یہ ڈکشنری بڑی سائز کے ۲۴۷۲ صفحات پر مشتمل ہے اور جس کی قیمت، نو سو ۹۰۰/- پاکستانی روپے ہے۔ یہ پاکستان میں "مقتدرہ قومی زبان" شمائلہ اعوان پلازہ ۱۲، ڈی (غربی) بلیو ایریا ۶/۱ - ایف، اسلام آباد سے یا غالبا ایجوکیشنل بک ہاؤس ۳۱۵۵، گلی عزیز الدین وکیل کوچہ پنڈت لال کنواں دہلی ۱۱۰۰۰۶ سے یا کتاب بھون ۱۷۸۴، کلاں محل، دریا گنج دہلی سے منگوائی جاسکتی ہے

(روزنامہ آواز ملک وارانسی ۱۹ مئی ۱۹۹۲ء ص ۵)

فرانس میں اسلام پر نصابی کتاب کی تدوین نو

فرانس کے تعلیمی نصاب میں اسلام سے متعلق اسباق پر مشتمل کتابوں کی تدوین نو کا مطالبہ حکومت فرانس نے قبول کرلیا ہے فرانسیسی تنظیم برائے اسلام اور مغرب کے سربراہ ڈاکٹر الامانی نے یہ بات بتاتے ہوئے کہا کہ مذکورہ کتابوں میں اسلام کا غلط تصور پیش کیا گیا ہے اس تنظیم کی متعدد ذیلی کمیٹیاں تہذیبی، فکری، معاشرتی اور ثقافتی امور میں مغرب کو اسلام سے متعارف کرانے کا کام انجام دیتی ہیں

فرانس میں مسلمان عیسائیوں کے بعد دوسری بڑی آبادی ہیں جن کی تعداد ایک تخمینہ کے مطابق ۲۷ لاکھ ہے یہاں ۸۰۰ مساجد ہیں اور انکی ایک درجن سماجی اور ثقافتی تنظیمیں یہاں

سرگرم عمل ہیں۔

(روزنامہ آواز ملک وارانسی ۲۶ مئی ۱۹۹۲ء ص ۵)

خطاطی کانفرنس

انجمن ترقی اردو بہار کے زیر اہتمام ۶ ر ۷ ر ستمبر ۱۹۹۲ء کو پٹنہ میں دو روزہ ریاستی خطاطی کانفرنس ہوگی اس موقع پر سیمینار، سمپوزیم نمائش اور خوش نویسی کے مقابلے کے علاوہ ایک محفل مشاعرہ بھی منعقد ہوگی اور ایک سووینئر کی اشاعت بھی عمل میں آئے گی۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۵ مئی ۱۹۹۲ء ص ۲)

ابتدائی تعلیم سب کیلئے — قومی مہم شروع کی جائے گی

ابتدائی تعلیم کو عام کرنے کی غرض سے وزارت برائے فروغ انسانی وسائل ترمیم شدہ تعلیمی پالیسی کے تحت ایک قومی مہم شروع کرے گی اس نئے پروگرام کے مطابق ۲۰۰۰ء تک ۱۴ برس تک کے تمام بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم کو یقینی بنایا جائے گا۔

تعلیم سے متعلق مرکزی مشاورتی بورڈ کی حالیہ میٹنگ میں اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ پالیسی کو لاگو کرنے پر خاص توجہ دی جائے۔ نئی پالیسی کے مطابق پرائمری اسکولوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے گا نئے اسکول اس طرح قائم کئے جائیں گے کہ کسی بھی بچے کو اپنے گھر سے ایک کلو میٹر کی دوری طے کرنا پڑے۔ اسکولوں میں بچوں کی سہولتوں میں اضافہ کیا جائے گا۔ ابتدائی تعلیم کو عام کرنے کی غرض سے ہر ایک ریاست ضلع وار منصوبہ تیار کرے گی۔ جہاں تعلیم بہت کم ہے ان اضلاع میں خاص خواندگی مہم شروع کی جائے گی ایسے ۲۵۰ ضلعوں کا انتخاب کیا گیا ہے

(روزنامہ آواز ملک وارانسی ۲۷ مئی ۱۹۹۲ء ص ۲)

عالمی شرح ناخواندگی

عالمی تعلیم سے متعلق "یونیسکو" کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ پوری دنیا میں ۹۴ کروڑ ۸۰ لاکھ آبادی ناخواندہ ہے انہیں سے ۹۱ کروڑ ۷۱ لاکھ آبادی ترقی پذیر ملکوں میں رہتی ہے جنہیں سے ۷۵ فیصد افراد ہندوستان، پاکستان، انڈونیشیا، چین، بنگلہ دیش، نائجیریا، برازیل، مصر اور میکسیکو میں ہیں۔

(روزنامہ آواز ملک وارانسی ۲۳ مئی ۱۹۹۲ء ص ۵)

نور محمد فلاحی سکریٹری انجمن

جامعہ کے لیل و نہار

نائب امیر جماعت اسلامی ہند مولانا عبدالعزیز صاحب کی جامعہ تشریف آوری

۲۴ مئی ۱۹۹۲ء کو نائب امیر جماعت اسلامی ہند مولانا عبدالعزیز صاحب اور معاون امیر حلقہ اترپردیش حافظ منصور عالم صاحب تشریف لائے۔ اور یہیں قیام کیا چنانچہ طلبہ و اساتذہ سے ملاقات کے علاوہ مختلف مسائل پر ان سے تبادلۂ خیال بھی کیا۔ اور تعلیم و تربیت کے سلسلے میں مختلف مفید مشورے بھی دئے۔

اسی دوران معزز مہمانان گرامی چاندپٹی بھی تشریف لے گئے اور سابق امیر جماعت اسلامی ہند مولانا ابواللیث صاحب مرحوم کی قبر پر حاضری بھی دی۔ مرحوم کی قبر چونکہ گاؤں سے متصل قبرستان میں ہے اس لئے وہاں حفاظت و صفائی کا کما حقہ اہتمام نہ پاکر معزز مہمانان نے لوگوں کی توجہ اس کی طرف مبذول کرائی۔

جماعت اسلامی ہند کے دو ضلعی اجتماع میں اساتذہ و طلبہ کی شرکت

اعظم گڑھ اور مئو اضلاع پر مشتمل اجتماع عام ۲۵، ۲۶ مئی ۱۹۹۲ء کو شبلی نیشنل اسکول میں منعقد ہوا۔ اس کے اندر کافی تعداد میں اساتذہ و طلبہ نے شرکت کی۔ ایسا لگتا تھا گویا پورا جامعہ امڈ آیا ہے۔ اجتماع کے انتظام اور پروگرام نیز انتظامات وغیرہ میں بھی انہوں نے کلیدی رول ادا کیا۔ تحریکی کاز سے نئی نسل کا یہ لگاؤ اور ان کی یہ لگن ایک فال نیک ہے۔

ناظم خواتین جماعت اسلامی ہند حلقہ اترپردیش کی کلیۃ البنات میں آمد

۲۷ مئی ۱۹۹۲ء کو ناظم خواتین حلقہ اترپردیش محترمہ ام مسعود صاحبہ بھی کلیۃ البنات جامعۃ الفلاح میں تشریف لائیں۔ اس موقع پر طالبات کا ایک خصوصی پروگرام ہوا۔ نیز معلمات سے انہوں نے مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال کیا۔ اور وہاں کی تعلیمی صورت حال کا جائزہ بھی لیا۔

صدر جامعہ مولانا نظام الدین صاحب کے دورے

ماہ مئی میں محترم صدر جامعہ مولانا نظام الدین صاحب نے گورکھپور، بنارس اور اعظم گڑھ وغیرہ میں جماعت اسلامی کے زیر اہتمام ہو رہے مختلف پروگراموں میں شرکت کی۔ اور مختلف جلسوں کو خطاب کیا۔

تعطیل عید الاضحیٰ

حسب سابق امسال بھی ۷، ذی الحجہ تا ۱۳، ذی الحجہ مطابق ۹، جون تا ۱۵، جون تعطیل عید الاضحیٰ رہے گی اور قرب و جوار کے طلبہ گھروں کو جاسکیں گے اب تک موصولہ اطلاعات کے مطابق تقریباً سو طلبہ جامعہ میں ہی قیام کریں گے۔ قربانی کے موقع سے ہر سال اہل خیر حضرات مختلف ناموں سے قربانی جامعہ کے اندر کرواتے ہیں، امسال بھی تقریباً دس جانور اب تک خریدے جاچکے ہیں۔

کلیۃ البنات کی نئی عمارت کا افتتاح

الحمد للہ، بہی خواہان جامعہ کے ہر جہتی تعاون سے کلیۃ البنات کی نئی تعمیر گذشتہ سال ہی شروع ہو چکی تھی اب تک ۲۰ × ۳۰ کے ۱۸ کمرے تیار ہو چکے ہیں۔ انشاء اللہ ۲۰ جون کو عظیم مفسر قرآن مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب سابق ناظم جامعہ اپنے درس قرآن سے اور مولانا خلیل رحمانی صاحب اپنے درس حدیث سے وہاں تعلیم کا افتتاح کریں گے۔ اس موقع سے ایک دو روزہ پروگرام بھی منعقد کیا جا رہا ہے جس میں قرب و جوار کے تمام ہی لوگوں کو مدعو کیا گیا ہے اس

موقع سے تعلیمی مظاہرہ اور خطاب عام کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

انجمن طلبہ قدیم کی مقامی شوریٰ اور فلاحی برادران کی میٹنگ

۶ رجون ۹۲ء کو اجلاس

عام کی تیاری کے سلسلے میں مقامی شوریٰ اور فلاحی برادران پر مشتمل ایک میٹنگ منعقد ہوئی۔ اس کے اندر اب تک کی کارکردگی کا جائزہ لیا گیا۔ اور آئندہ کے لئے کاموں کی تقسیم کی گئی۔ اجلاس عام کے لیے ایک مستقل آفس کے قیام کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ نیز آئندہ ہر سنڈے دن پر ایسی نشست کے اہتمام کا بھی فیصلہ لیا گیا۔ انشاء اللہ آئندہ ۲۱ رجون ۹۲ء کو پھر ایک میٹنگ منعقد ہوگی۔

توسیعی لیکچر

مشہور عالم دین مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب کی آمد پر مختلف انداز سے اساتذہ وطلبہ نے استفادہ کیا۔ اسی ضمن میں ۱۰ رجون ۹۲ء کو بعد نماز فجر ایک توسیعی لیکچر کا بھی اہتمام کیا گیا مولانا کا موضوع تھا "ہندوستان میں اسلامی مدارس کی ضرورت وافادیت" لیکچر کے بعد سوال وجواب کا سلسلہ بھی رہا۔

جناب شمشاد احمد صاحب کو صدمہ

جناب شمشاد احمد صاحب جو مطبخ جامعہ میں کئی سالوں سے خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ۱۰ رجون ۹۲ء کو ان کے والد محترم اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ ہم سبھی وابستگان جامعہ موصوف کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

نو منتخب نگران اعلیٰ

مولانا محمد طاہر صاحب مدنی بعض اعذار کی وجہ سے نگران اعلیٰ کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگئے تھے۔ چنانچہ مجلس عاملہ نے ایک بار پھر مولانا رحمت الاثری صاحب فلاحی مدنی کو نگران اعلیٰ منتخب کیا ہے اللہ انہیں بحسن وخوبی اپنے فرائض انجام دینے کی توفیق دے۔ موصوف نے باقاعدہ اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔

محمد فرحت حسین خوشدل
ضلع اسکول ہزاری باغ (بہار)

نعت

سارے جہاں میں شمع فروزاں تمہیں سے ہے
ہر سو ضیائے رحمت یزداں تمہیں سے ہے

انسان کو سکھا دیا جینے کا ہر سبق
انسانیت پہ جتنا ہے احسان تمہیں سے ہے

تخلیق کائنات سے یہ منکشف ہوا
کون و مکاں کا ہر نیا عنواں تمہیں سے ہے

تسلیم کر لیا ہے سارے جہاں نے
حسن ازل کا جلوہ نمایاں تمہیں سے ہے

توحید کی صدا بھی تمہیں نے بلند کی
دنیا میں جو ہے آج مسلماں تمہیں سے ہے

اللہ کے حضور میں سر جھکا دیجیے
یہ درس بھی تو صاحب قرآں تمہیں سے ہے

تعلیم تو نے اس کا فراہم کیا ثبوت
قرآں کا عظیم دبستاں تمہیں سے ہے

خوشدل بھی کہہ رہا ہے یہ ہم سے ادب کے ساتھ
جو کچھ ہے اسکے درد کا درماں تمہیں سے ہے

نسیم القادری سیوہاروی

غزل

جو بات تم کو بتائی گئی ہے میرے لئے
وہی تو آگ لگائی گئی ہے میرے لئے

ہر ایک چیز جو ہے دسترس میں مجھے حاصل
ہر ایک چیز بنائی گئی ہے میرے لئے

یہ چاند اور یہ سورج ستارے لوح و قلم
یہ انجمن ہی سجائی گئی ہے میرے لئے

یہ بزم عیش طرب آپ کو مبارک ہو
سیاہ رات بنائی گئی ہے میرے لئے

یہ لہلہاتے ہوئے کھیت مسکراتے چمن
یہ کشت زار سجائی گئی ہے میرے لئے

یہ اور بات نہ تھی تاب دید کی ورنہ
نقاب رخ سے اٹھائی گئی ہے میرے لئے

نظر اٹھا کے بھی دیکھوں نہ غیر کی جانب
عجیب شرط لگائی گئی ہے میرے لئے

مہک رہی ہے فضا میں شمیم گل ہر سو
نسیم صبح چلائی گئی ہے میرے لئے